اِس شمارے میں

نورِ ہدایت	کس طرح کے فقراء صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں؟		۵
نظر وفکر	تصوف کا استحصال	محمد سلمان منصور پوری	۶
درسِ حدیث	اہم نبوی ہدایات	مولانا اشہد رشیدی صاحب	۱۱
افاداتِ قرآنیہ	افادات سورۂ صف	حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ	۱۶
مقالات ومضامین	خندہ روئی کے ساتھ ملنا	مولانا اسرار الحق قاسمی	۲۲
	اِسلام میں مذہبی رواداری	مولانا مفتی محمد عبداللہ قاسمی	۲۵
	بہترین عمل	مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری	۲۹
	منشیات کا بڑھتا ہوا رواج اور شرعی ہدایات	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی	۳۵
	ازواجِ مطہرات کے ساتھ حضور.....	علامہ منقذ بن محمود السقار	۴۵
	سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	مولانا مفتی ابوجندل قاسمی	۵۱
ذکرِ رفتگاں	حضرت مولانا عبدالرحیم بستویؒ	مولانا مفتی عمران اللہ قاسمی	۵۸
کتاب المسائل	تعلیق طلاق کے مسائل	مفتی محمد سلمان منصور پوری	۶۳
جامعہ کے شب وروز	مہتمم جامعہ کے اسفار، مجلس عاملہ رابطہ مدارسِ عربیہ دارالعلوم دیوبند کا اجلاس، واردین وصادرین، وفیات		۶۷

نورِ ہدایت:

کس طرح کے فقراء صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں؟

اِرشادِ ربانی: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْاَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ. (البقرۃ: ۲۷۳)

ترجمہ: ''(صدقہ وخیرات کے اولین حق دار) وہ فقراء ہیں جو اللہ کے راستہ میں رکے ہوئے ہیں وہ (دینی مشاغل میں مصروفیت کی وجہ سے زیادہ) دنیا میں سفر نہیں کر سکتے، ناواقف شخص اُن کو اُن کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے مال دار سمجھتا ہے (تاہم) آپ اُن کو اُن کے چہرے (کی زردی اور کمزوری) سے پہچان سکتے ہیں، وہ لوگ لپٹ کر لوگوں سے سوال نہیں کرتے، اور جو کچھ بھی تم اچھی چیز خرچ کرتے ہو یقیناً وہ اللہ کو معلوم ہے''۔

اِس آیت میں تین باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں: (۱) پہلی بات یہ کہ اگرچہ سبھی ضرورت مندوں اور فقراء پر خرچ کرنے میں اجر وثواب مقرر ہے؛ لیکن خاص طور پر وہ حضرات جنہوں نے اپنی زندگیاں دین کی سربلندی اور اُس کی اِشاعت کے لئے وقف کر رکھی ہیں، اور وہ اُن مشاغل کی وجہ سے دنیا میں چل پھر کر کاروبار اور تجارت بھی نہیں کر سکتے، حالاں کہ وہ حقیقۃً ضرورت مند ہیں، تو ایسے لوگوں پر خرچ کرنے میں ثواب بہت زیادہ ہے۔ اِس کا مصداق مجاہدین فی سبیل اللہ تو ہیں ہی، ساتھ میں وہ طلبۂ علوم نبوت جو علم دین کی تحصیل میں مشغول ہوں، یا وہ علماء اور خدامِ دین جن کا دن رات کا مشغلہ دین کی تعلیم وتبلیغ ہو، وہ بھی اِسی زمرہ میں شامل ہیں، جیسا کہ دورِ نبوت میں اَصحابِ صفہ کا حال تھا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں خودداری اور قناعت کی بڑی اَہمیت ہے کہ آدمی اپنی ضرورتوں کا اظہار بندوں کے سامنے نہ کرے؛ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا کرے۔ چناں چہ اِسی صفت کو اِس آیت میں موجبِ تعریف قرار دیا گیا ہے۔

(۳) تیسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ سرمایہ دار حضرات کو بذاتِ خود اِس کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ کون کتنا ضرورت مند ہے؟ اور جس شخص کے ظاہری حالات سے اُس کا ضرورت مند ہونا معلوم ہو، وہ اگرچہ خود سوال نہ کرے، پھر بھی تحقیق کر کے اُس کی مدد کرنی چاہئے۔ اِسی جانب آیت کے جملے: ﴿تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ﴾ سے اِشارہ ملتا ہے۔

□□□

نظر وفکر:

تصوف کا استحصال

محمد سلمان منصور پوری
Mansoorpuri
@gmail.com

یہ بات ہر شک اور شبہ سے بالاتر ہے کہ سرور عالم نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُسوۂ مبارکہ نہ صرف اہلِ اسلام؛ بلکہ تمام انسانیت کی کامیابی کی واحد ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً. (الاحزاب: ۲۱)

تم لوگوں کیلئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو، اللہ کے رسول میں ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''میرے سب اُمتی جنت میں جائیں گے سوائے اُن لوگوں کے جو منکر ہوں''۔ عرض کیا گیا کہ ''منکر کون ہیں''؟ تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبیٰ. (رواہ البخاری، مشکوٰۃ شریف ۲۷/۲)

جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ منکر ہے۔

پس ہر انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی لازم ہے، قرآنِ پاک میں جابجا جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تاکیدی حکم دیا گیا، وہیں اللہ کے رسول کی اطاعت بھی ضروری قرار دی گئی۔ چناں چہ ایک جگہ ارشاد ہے:

قُلْ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْ فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ. (النور: ٥٤)

اے پیغمبر آپ فرمادیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو، پھر اگر تم لوگ روگردانی کروگے تو اچھی طرح سمجھ لو کہ رسول کے ذمہ وہی (دعوت وتبلیغ کا کام) ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے، اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی تو راہ یاب ہوجاؤ گے اور بہرصورت رسول کا کام صرف صاف طور پر (اللہ کا پیغام) پہنچادینا ہے۔

اور بھی متعدد آیات میں اسی طرح کا مضمون بیان کیا گیا ہے، اور بعض آیات میں اطاعت رسول کی تاکید کے ساتھ ساتھ سنت رسول سے روگردانی پر سخت وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں، اور واضح طور پر امت کو متنبہ کر دیا گیا ہے کہ حکم خدا اور حکم رسول کے سامنے آنے کے بعد کسی شخص کے لئے چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَ مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضٰى اللّٰـهُ وَرَسُوْلُـهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْـرِهِمْ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَـهٗ فَقَـدْ ضَلَّ ضَلاَلاً مُّبِيْناً.

(الاحزاب: ۳٦)

اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں، پھر ان مؤمنین کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے، اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

مذکورہ نصوص سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شریعت کی نظر میں اتباع سنت کی کس قدر اہمیت ہے، اور اس سلسلہ میں کوتاہی کتنی بڑی خسارہ کی بات ہے؟

پیغمبر علیہ السلام کا ایک اثر انگیز خطاب

صحابی رسول سیدنا حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نماز کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے سامنے ایسا مؤثر وعظ فرمایا جس سے دل کانپ گئے اور آنکھیں نم ہوگئیں، تو ایک صاحب نے پیغمبر علیہ السلام سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! یہ تو گویا کہ الوداعی وعظ معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے ہمیں کوئی وصیت فرما دیجئے''! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوىٰ اللّٰـهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا، فَإِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرىٰ اِخْتِلاَفًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا

میں تم کو اللہ سے ڈرنے اور حکام کی فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں، اگر چہ وہ (حاکم) حبشی غلام کیوں نہ ہو؟ اور تم میں سے جو آئندہ زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا؛ لہٰذا تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ پر قائم رہنا،

وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (رواه أحمد وأبو داؤد، مشكاة المصابيح ۲۹-۳۰)

اُن پر ثابت قدم رہنا اور دانت گاڑ لینا، اور نت نئی باتوں سے بچتے رہنا؛ کیوں کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اِس پر اثر خطابِ نبوی سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہوگئی کہ من مانی کا نام دین نہیں؛ بلکہ سو فیصد اتباعِ شریعت وسنت کا نام دین ہے؛ لہٰذا جب ماحول میں بگاڑ پیدا ہو، خواہشات نفس کا دور دورہ ہو، ہر شخص خود رائی میں مبتلا ہو، اور ہر آدمی اپنی بات کو صحیح قرار دینے پر تُلا ہوا ہو، تو ایسے وقت میں راہِ حق تک رسائی کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اُمت پیغمبر علیہ السلام کی اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کی طرف لوٹ جائے، اور جو باتیں سنت وشریعت کے خلاف ہوں اُن سے دور ہو جائے، اِس کے بغیر رجوع الی الحق کا منشا ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ علماء حق اہل سنت والجماعت کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ اُنہوں نے ہر معاملہ میں سنتِ نبوی کو ''مشعلِ راہ'' بنایا، اور ہر قسم کی بدعات سے بے زاری کا اظہار کیا، اور اپنی حد تک بدعات ورسومات اور جہالتوں کو مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اور اس معاملہ میں خاص طور پر برصغیر میں دارالعلوم دیوبند اور اُس کے مشرب ومنہج سے وابستہ اکابر علماء کرام کا کردار سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے، جنہوں نے سنتوں کی روشنی برصغیر کے چپہ چپہ تک پہنچا کر ماحول کو روشن اور منور کر دیا، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

''برعکس نام نہند زنگی را کافور''

لیکن ہر دور میں اُمت میں ایسے افراد بھی رہے ہیں جنہوں نے محض ذاتی ونفسانی مفادات کی خاطر سنتوں کی اِشاعت کے بجائے بدعات کے فروغ میں اپنا مکروہ کردار پیش کیا ہے، اور کوئی اُنہیں ''بدعتی'' نہ کہہ سکے، اِس خطرہ سے اُنہوں نے اپنے فرقہ کا نام ہی ''اہل سنت والجماعت'' رکھ لیا، اور یہ باور کرایا کہ سنی کا لقب ہمارے ہی ساتھ خاص ہے۔

اور صرف اِسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ اِس فرقہ کے اکابر وخواص نے شرک وبدعات پر نکیر کرنے والے ''علماء ربانیین'' پر تکفیر کے گولے داغنے شروع کر دئے، اور بعض باتوں کو بہانہ بنا کر جاہل اور بھولے

بھالے عوام کو ایسا ورغلایا کہ گھر گھر آگ لگ گئی، حتیٰ کہ مسجدیں تک بٹ گئیں، اور قبرستانوں میں دیواریں کھچ گئیں، حد تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافر کہہ کر قبروں سے لاشیں نکال کر پھینکنے کے اِنسانیت سوز اور شرم ناک واقعات پیش آگئے۔ (جیسا کہ ابھی چند دن قبل ''اُودے پور'' راجستھان میں اِس طرح کا اندوہ ناک واقعہ پیش آیا)۔ (راشٹریہ سہارا دہلی ۱۲؍فروری ۲۰۱۶ء)

ایسے لوگوں کا حال بقولِ شورش کاشمیریؒ یہ ہے:

بے روک ہیں اُن فتویٰ فروشوں کی زبانیں ❖ اَسلاف کی توہین پہ کرتے ہیں گذارا
قرآن کے احکام سے رکھتے نہیں رغبت ❖ توحید کے اَذکار سے کرتے ہیں کنارا
ہر کوچۂ و بازار میں کہرام مچا ہے ❖ اُن زہد فروشوں نے مسلمان کو مارا
اُمت کے اَکابر پر سب وشتم کی بوچھار ❖ کرتی نہیں اللہ کی غیرت یہ گوارا

اِس ''نام نہاد فرقہ اہل سنت'' کے وجود سے پہلے بھی بدعات عام تھیں، مگر اُن میں یکجہتی اور یگانگت زیادہ نہ تھی، اور علمی تائیدات سے بھی اُن کا دامن خالی تھا، مگر اِس فرقہ کے بانیان کا بڑا کارنامہ یہ ہوا کہ اُنہوں نے بدعات کو اپنی مزعومہ تاویلات سے مدلل کر دیا، جس سے بدعتی نظریات واعمال کو فروغ دینے میں خوب مدد ملی، اور تفریق اُمت کا فرض بخوبی انجام پایا۔ بعد میں اِس فرقہ کے اَربابِ حل وعقد نے کئی مشترک مفادات کی خاطر ''خانقاہی قبوری طبقہ'' کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا، اور حد تو یہ ہے کہ خود ''اعلیٰ حضرت صاحب'' نے جن بعض باتوں کو ناجائز اور بدعت قرار دے رکھا ہے، اُن اُمور کو بھی اُن کے نام لیوا میٹھا گھونٹ سمجھ کر پی گئے، اور اُن کے خاموش مؤید بن گئے، اور انہیں ساتھ ملا کر اپنی اکثریت کا دعویٰ کرنے لگے۔

''صوفی اسلام''

اور اَب ایک نئی حرکت یہ شروع کی کہ محض اکابر دیوبند کے بغض وحسد میں دشمنانِ اسلام ومسلمین کے آلۂ کار بن کر ''صوفی اسلام'' کے نام سے ایک ایسے اسلام کا تعارف کرایا جو سلف صالحین کے اسلام سے بالکل جداگانہ ہے، جس کی بنیاد ہی اہل حق سے بے زاری پر رکھی گئی ہے۔ یقیناً یہ ناروا جسارت صوفیاء عظام اور اولیاء اللہ کی بدترین توہین ہے؛ کیوں کہ حقیقی تصوف اور صوفیاء عظام اسلام سے الگ ہرگز نہیں

ہیں، اور واقعی تصوف اصل میں اتباعِ سنت ہی کا نام ہے، جس سے اِنسان میں ''صفتِ احسانی'' پیدا ہوتی ہے اور رذائل کا خاتمہ ہوتا ہے، جس میں دور دور تک بدعات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اولیاء اللہ کے تمام معتبر سلسلوں میں بدعات وخرافات پر شدت سے نکیر کی گئی ہے۔ پیرانِ پیر سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ وخطبات میں جابجا بدعات اور محدثات پر شدت سے تردید کے مضامین موجود ہیں۔ اسی طرح خواجۂ غریب نواز حضرت شاہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت خواجہ قطب الدین کاکیؒ، سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین چشتیؒ اور حضرت خواجہ صابر کلیریؒ وغیرہم کے ملفوظات میں شریعت وسنت پر ثبات قدمی کی تلقین کی گئی ہے اور شرک وبدعات سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور ان مقدس نفوس نے پوری زندگی اسلام کی اِشاعت، مسلمانوں کی اصلاح اور ملت کی شیرازہ بندی میں صرف کی۔ اِس بارے میں اُن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

لیکن آج اِنہی بزرگوں اور مقدس شخصیات کے نام پر ملت کو ٹکڑوں میں بانٹنے کے لئے کچھ ''قبا فروش'' کھڑے ہوگئے ہیں، جو بھولے بھالے اہل ایمان کو پوری بے غیرتی کے ساتھ گمراہ کرنے اور انتشار پھیلانے میں مصروف ہیں، ان کا تصوف سے دور تک کا کوئی واسطہ نہیں؛ بلکہ وہ تصوف اور ''صوفی اِزم'' کا ڈھونگ رچا کر ملت کو تقسیم کرنے کا ناپسندیدہ کام کررہے ہیں، ایسے ہی لوگوں سے کسی شاعر نے سوال کیا تھا:

بیج بو کر فتنۂ تکفیر کا اسلام میں ❖ رات دن جلسے کراؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟
خانقاہوں میں بزرگوں کے مقدس نام پر ❖ نت نئے فتنے جگاؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟
خواجۂ کونین کے اسلام کی بنیاد و بیخ ❖ اپنے ہاتھوں سے گراؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟
عاقبت کے نرخ پر ہنگامۂ تکفیر سے ❖ آگ ہر گھر میں لگاؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟

کل خدا کے سامنے ہر بات کا ہوگا جواب
آج ''گل چھرّے'' اُڑاؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟

اللہ تعالیٰ پوری اُمت کو انتشار واختلاف سے محفوظ فرمائیں، اور طالع آزماؤں کی ناعاقبت اندیشی اور فتنہ پروروں کے فتنہ سے محفوظ رکھیں، آمین۔

❍❖❍

درسِ حدیث:

اَہم نبوی ہدایات

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

عَنْ أَبِي جُرَيٍّ جَابِرِ بْنِ سُلَيْمٍ ﷺ قَالَ: أَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ فَرَأَيْتُ رَجُلاً يَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَأْيِهِ، لاَ يَقُوْلُ شَيْئًا إِلاَّ صَدَرُوْا عَنْهُ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ، قَالَ: قُلْتُ عَلَيْكَ السَّلاَمُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَرَّتَيْنِ، قَالَ: لاَ تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلاَمُ عَلَيْكَ السَّلاَمُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ، قُلْ: اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ، قُلْتُ: أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِي إِنْ أَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ، وَإِنْ أَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهُ أَنْبَتَهَا لَكَ، وَإِذَا كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفْرٍ أَوْ فَلاَةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ، قُلْتُ: اِعْهَدْ إِلَيَّ، قَالَ: لاَ تَسُبَّنَّ أَحَدًا، قَالَ: فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهُ حُرًّا وَلاَ عَبْدًا وَلاَ بَعِيْرًا وَلاَ شَاةً، قَالَ: وَلاَ تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ،

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں مدینۃ المنورہ پہنچا، میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کی بات پر عمل کررہے تھے، وہ جو بات بھی کہتا لوگ اس کی طرف دوڑ پڑتے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، میں نے کہا: "علیک السلام یا رسول اللّٰہ" دوبار اس جملے کو دہرانے کے بعد (آپ میری جانب متوجہ ہوئے) اور فرمایا کہ: ''علیک السلام'' نہ کہو؛ کیوں کہ یہ مُردوں کا سلام ہے؛ بلکہ ''السلام علیک'' کہو، میں نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس رب ذوالجلال کا رسول ہوں کہ اگر تجھ کو کوئی تکلیف پہنچے اور تو اس کو پکارتے ہوئے دعا کرے تو وہ تجھ سے اس مصیبت کو دور کردے گا، اگر تو قحط سالی میں مبتلا ہونے کے بعد اس کو پکارے گا تو وہ تیرے لئے غلے کو اگا دے گا، اور اگر تو بے آب وگیاہ علاقہ میں ہو وہاں تیری سواری گم ہوجائے اور تو اس کو پکارے تو وہ تیری سواری کو واپس لوٹا دے گا، میں نے کہا کہ آپ مجھ کو کچھ نصیحت فرمائیں، آپ نے فرمایا: (۱) کسی کو گالی

وَإِنْ تَكَلَّمَ أَخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهُكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ، وَارْفَعْ إِزَارَكَ إِلىٰ نِصْفِ السَّاقِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الإِزَارِ، فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ، وَإِنْ امْرَءٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ، فَإِنَّمَا وَبَالُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ: فَيَكُوْنُ لَكَ أَجْرُ ذٰلِكَ، وَوَبَالُهُ عَلَيْهِ. (رواه أبو داؤد والترمذي، مشكوة المصابيح ١٦٩)

نہ دینا، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں نے نہ کسی آزاد کو گالی دی نہ غلام کو، اور نہ کسی اونٹ کو گالی دی نہ بکری کو، پھر آپ نے فرمایا کہ (۲) کسی چھوٹی سی چھوٹی نیکی کو بھی حقیر اور کمتر نہ جاننا (۳) کسی بھائی سے مسکراتے ہوئے چہرے سے ملنا اور گفتگو کرنا بھی نیکی کا کام ہے (۴) تم اپنے ازار (پائجامے اور پینٹ وغیرہ) کو آدھی پنڈلی تک اٹھائے رکھنا، اور اگر ایسا نہ کرسکو تو ٹخنوں تک رکھنا اور ٹخنے کے نیچے لٹکانے سے بچتے رہنا؛ اس لئے کہ یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ رب العزت تکبر کو ناپسند کرتا ہے (۵) اگر کوئی آدمی تم کو گالی دے اور تمہارے اس عیب کے ذریعہ تم کو عار دلائے جو اس کے علم میں ہے، تو تم اس کو اس کے اس عیب کے ذریعہ عار مت دلانا جو تم جانتے ہو، اس کا وبال اسی پر ہوگا، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ تم کو اس کا اجر ملے گا اور اس پر وبال پڑے گا۔

تشریح: نبی کریم علیہ السلام امت کے ظاہر و باطن کی اصلاح کی کوشش فرماتے، اچھی عادتوں کو اپنانے کی ترغیب دیتے اور بری خصلتوں سے دور رہنے کی تاکید فرماتے، تاکہ آپ کی امت ساری دنیا کے لئے رہبر اور پیشوا بن سکے، پورے عالم کے لئے نمونہ ہو اور انسانیت و شرافت کے میدان میں اقوامِ عالم پر سبقت لے جائے۔ مذکورہ بالا روایت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کو پانچ بیش قیمت نصیحتیں فرما کر اخلاق و کردار کو بلند کرنے کا سبق سکھا رہے ہیں، یہ نصیحتیں صرف کسی ایک انسان کے لئے نہیں ہیں؛ بلکہ پوری دنیائے انسانیت کے لئے نجات، کامیابی، ترقی اور کامرانی کا ذریعہ و وسیلہ ہیں۔ حدیث بالا میں ذکر کئے گئے واقعہ اور پانچ نصائح کو ذیل میں قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

واقعہ کی تفصیل

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مدینہ منورہ پہنچ گیا، میں نے دیکھا

کہ ایک صاحب ہیں، جن کے اردگرد لوگ جمع ہیں، وہ جو کہتے ہیں لوگ اس پر عمل کرتے ہیں، ان کی مبارک زبان سے جیسے ہی کوئی جملہ نکلتا ہے خلق خدا فوراً اس کی طرف لپکتی ہے، اور اس کو پورا کرنے میں جٹ جاتی ہے، مجھ کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، چنانچہ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، میں نبی کریم علیہ السلام کی جانب متوجہ ہوا اور آپ کو سلام کرتے ہوئے کہا: علیک السلام، مگر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، میں نے پھر کہا: علیک السلام، تب آپ نے فرمایا کہ ''علیک السلام'' کے ذریعہ مُردوں کو سلام کیا جاتا ہے؛ اس لئے تم ''السلام علیکم'' کہو۔

اسلامی ''سلام''

نبی کریم علیہ السلام نے امت کو سلام کا جو طریقہ سکھایا ہے، وہ درحقیقت ایک جامع اور مکمل دعا ہے، جس کے ذریعہ انسان ایک دوسرے کو سلامتی، رحمت اور برکت جیسی بہترین دعاؤں سے نوازتا ہے، مگر آج کل یورپ کی غلامی کا ایسا نشہ مسلمانوں پر سوار ہوا ہے کہ ان کی نقالی میں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کو بھول گئے ہیں، چنانچہ کوئی ''گڈ مورنگ'' کہہ کر خوش ہوتا ہے، تو کوئی صرف ''خدا حافظ'' کہنے پر اکتفا کرتا ہے، گویا اس کو سلام کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کرنے میں شرم وعار محسوس ہوتی ہے۔ غور کیجئے جو قوم اپنی پہچان اور شناخت کو چھوڑ دے وہ اپنے وجود کو باقی رکھنے میں کیسے کامیاب ہوسکتی ہے؟

مذکورہ روایت میں آگے چل کے حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے مخاطب کے دل میں خدا کی محبت اور اس کی قدرت ورفعت بٹھانے کے لئے مختصر جواب دینے کے بجائے رب ذوالجلال کی رحمت وعظمت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ہاں میں اس خدا کا رسول ہوں کہ اگر تم پریشانیوں اور مصیبتوں میں پھنس کر سچے دل سے اس کو پکاروگے تو وہ تمہاری مصیبتوں کو دور کردے گا، اگر تم قحط سالی کا شکار ہوکر تڑپ کے اس کو پکاروگے تو وہ تمہارے لئے غلہ اگادے گا، اور جب کبھی کسی بے آب وگیاہ علاقہ یا جنگل میں تمہاری سواری گم ہوجائے اور تم تڑپ کے اسکو پکارو تو وہ تمہاری سواری تم کو واپس لوٹادے گا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک طرف مخاطب کے سامنے اپنے رسول برحق ہونے کا اقرار فرمارہے ہیں تو دوسری طرف مالک حقیقی کی عظمت وقدرت اور اس کے احسانات کا اظہار کرکے مردہ دلوں کو زندہ کررہے ہیں، اس کی آغوشِ رحمت سے وابستہ ہونے کی دعوت دے رہے ہیں اور اس کی پناہ میں آنے کی ترغیب دے رہے ہیں،

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے درخواست کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو کچھ نصیحت فرمادیجئے، جواب میں آپ نے پانچ باتیں ارشاد فرمائیں، جو ذیل میں نمبروار ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) **لَا تَسُبَّنَّ أَحَدًا**:- پہلی نصیحت کرتے ہوئے نبی کریم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اے جابر بن سلیم! کبھی کسی کو گالی نہ دینا، برا بھلا نہ کہنا اور کبھی کسی کے لئے اپنی زبان سے نازیبا کلمات نہ نکالنا؛ کیوں کہ بدزبانی کرنا شرافت کے خلاف ہے، حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد زندگی میں، میں نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی، نہ کسی بڑے کو نہ چھوٹے کو، نہ امیر کو نہ غریب کو، نہ آزاد کو، نہ غلام کو، حتی کہ نہ کسی انسان کو اور نہ جانور کو۔ وہ لوگ غور کریں جو اٹھتے بیٹھتے گالیاں بکتے ہیں، فحش گوئی کرتے ہیں اور بسا اوقات یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ جس کو وہ ماں باپ اور بہن کی ننگی ننگی گالیاں دے رہے ہیں، وہ تو اتفاق سے ان ہی کا بھائی اور قریبی رشتہ دار ہے، گویا وہ اپنے ہی ماں باپ اور بڑوں کو گالی دے رہے ہیں اور ان کی پگڑیاں اچھال رہے ہیں، اللہ رب العزت ہم سب کو بدزبانی کے گناہ سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(۲) **وَلَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ**: دوسری نصیحت آپ نے یہ فرمائی کہ کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر اور بے حیثیت نہ سمجھنا؛ بلکہ جہاں تک ممکن ہو چھوٹی بڑی ہر طرح کی نیکیوں کو انجام دیتے رہنا؛ کیوں کہ معلوم نہیں کہ خدا کے یہاں کب کونسی نیکی قبولیت کے درجہ کو پہنچ جائے؛ اس لئے انسان کو کبھی بھی کسی نیکی کو چھوٹی اور ہلکی سمجھ کے نہ چھوڑنا چاہئے؛ بلکہ خلوص اور للّٰہیت کے ساتھ ہر نیکی کو انجام دیتا رہے، اور ہرگز سستی اور کاہلی سے کام نہ لے۔

(۳) **وَإِنْ تَكَلَّمَ أَخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ**: نبی کریم علیہ السلام تیسری نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمارہے ہیں کہ تم لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو، امیر غریب، عالم جاہل، اپنا پرایا اور جانکار یا انجان جس سے بھی ملو محبت اور خوش اخلاقی سے ملو، تواضع اور انکساری سے ملو، خلوص اور اپنائیت سے ملو؛ کیوں کہ خلق خدا سے مسکراتے ہوئے چہرے سے ملنا بھی ایک نیکی ہے، جس پر صدقہ کا ثواب ملا کرتا ہے۔

آج کل بڑائی اور تکبر کی وجہ سے آدمی دوسروں سے سیدھے منہ بات کرنے کو تیار نہیں ہوتا، ہر وقت پیشانی پر بل پڑے رہتے ہیں، اگر کوئی مسکرا کر مخاطب کرلے تو بڑے روکھے انداز سے جواب دیا جاتا ہے، اور دل میں یہ خیال آنے لگتا ہے کہ یہ صاحب کیوں بلا وجہ مجھ سے فری ہونا چاہتے ہیں، میں ان کو آگے بڑھنے کا موقع نہیں دوں گا، اس طرح کے افکار وخیالات اور انداز واطوار، کبر وغرور اور بڑائی کی علامتیں ہیں، جن سے بچنا ایک مسلمان کے لئے لازم اور ضروری ہے۔

(٤) وَارْفَعْ إِزَارَکَ إِلیٰ نِصْفِ السَّاقِ: چوتھی نصیحت کرتے ہوئے نبی کریم علیہ السلام ارشاد فرمارہے ہیں کہ تم اپنے ازار (لنگی، پاجامے، پینٹ وغیرہ) کو آدھی پنڈلی تک اونچا رکھا کرو۔ اور اگر تم کو ایسا کرنے میں کچھ تکلف ہو تو تم ٹخنے تک نیچے کر سکتے ہو، اس سے نیچے کرنے اور ٹخنے چھپانے کی بالکل اجازت نہیں ہے؛ بلکہ وہ ناجائز اور حرام ہے؛ اس لئے ہر حال میں اس سے بچو! کیوں کہ یہ تکبر کی علامت اور متکبرین کا شیوہ ہے اور اللہ رب العزت کو تکبر اور بڑائی ہرگز پسند نہیں ہے۔

آج کل کے لباس اور پہناوے اس طرح کے ہیں کہ ٹخنے ڈھکے ہی رہتے ہیں اور مسلمان غیروں کی طرح سے بلا کسی تکلف اور خوف کے ان کا استعمال کرتا ہے، بعض لوگ مسجدوں میں آکر نماز پڑھتے وقت ٹخنے کھول لیتے ہیں اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد پھر سے پائینچا نیچے سرکا دیتے ہیں، یاد رکھئے صرف نماز کے دوران ہی ٹخنوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ہر وقت مردوں کے ٹخنے کھلے ہی رہنے چاہئیں۔ نبی کریم علیہ السلام نے ٹخنے ڈھکنے کو اللہ کے دشمنوں اور کبر وغرور میں مبتلا لوگوں کی نشانی قرار دیتے ہوئے اپنی امت کو اس سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

(٥) وَإِنْ امْرَءٌ شَتَمَکَ وَعَیَّرَکَ بِمَا یَعْلَمُ فِیْکَ: نبی کریم علیہ السلام پانچویں نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر کوئی شخص تم کو برا بھلا کہے، گالی گلوج پر اتر آئے اور تمہارے کسی عیب کو بیان کر کے تم کو عار دلائے، بے عزت کرے، ذلیل وخوار اور رسوا کرے، تو تم جواب میں اس کے کسی عیب کو ذکر کر کے اس کو عار مت دلانا؛ بلکہ اس کو معاف کر دینا۔ اللہ رب العزت تم کو اس کا بہترین صلہ نصیب فرمائے گا، اور اس کو سزا دے گا۔

کیا آج کل کا مسلمان نبی کریم علیہ السلام کی اس نصیحت پر عمل کرنے کو تیار ہے؟ کیا ہم معاف کر کے اجر وثواب کے مستحق بننا چاہتے ہیں؟ یا طیش میں آکر خود گنہگار بن بیٹھتے ہیں، مدمقابل پر الزامات کی بوچھار کر دیتے ہیں، سچی جھوٹی باتیں اس کی طرف منسوب کر کے ہر طرح سے اس کو سبق سکھانے میں لگ جاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم سے بڑا انتقام لینے والا رب ذوالجلال ہے، جو ہر چیز سے واقف ہے، وہ معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، وہی عزت وذلت کا مالک ہے، وہ معاف کرنے والے کو عزتوں سے بھی نوازتا ہے اور اجر وثواب سے بھی مالا مال کرتا ہے۔ اور کسی مسلمان کو عار دلا کر رسوا کرنے والے کو دونوں جہاں میں سزا دیتا ہے۔ اللہ رب العزت تمام نصیحتوں پر ہم سب کو عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین) وصلی اللّٰہ علی النبي الکریم۔ □□□

اِفاداتِ قرآنیہ:

اِفادات: سورۂ صف

افادات: عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہٗ
ضبط وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

کام کرنے والے آدمی کہا نہیں کرتے؛ کیا کرتے ہیں

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ: (اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں)

بعض صحابہ کرام آپس میں مذاکرہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ تو ہم اس میں اپنی جان و مال سب قربان کر دیں۔ بعض صحابہ لمبے چوڑے دعوے کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بطور تنبیہ کے یہ بات فرمائی تھی، کام کرنے والے زبان سے کہا نہیں کرتے؛ بلکہ کیا کرتے ہیں، کرنے والے کام کو کہا نہیں جاتا، کیا جاتا ہے۔

دعویٰ اور دعوت کا فرق

کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرنا جس کو کرنا نہ ہو یا کرتا نہ ہو، یہ تو برا ہے، اور اس کی مذمت آئی ہے؛ لیکن کسی ایسی بات کا دوسروں کو حکم دینا جس کو خود نہ کرتا ہو، یہ ممنوع نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ دعوت ہے، دعویٰ تو ممنوع ہے، اور دعوت کا حکم ہے۔ دعوت میں یہ نہیں ہے کہ جس کو کرتے نہیں یا کر نہیں سکتے، تو دوسروں سے نہ کہے؛ بلکہ دو حکم علیحدہ علیحدہ ہیں، عمل کرنے کا حکم مستقل ہے اور دوسروں کو دعوت دینے کا حکم علیحدہ ہے، خود عمل نہ کرنا ایک جرم ہے، اور دوسروں کو دعوت نہ دینا، بھلی باتوں کا حکم نہ دینا، برائی سے نہ روکنا یہ دوسرا جرم ہے، عمل نہ کرنے کا گناہ الگ ہوگا اور دعوت نہ دینے کا گناہ علیحدہ ہوگا، عمل نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دعوت بھی نہ دے۔

برائی چھوڑنے کا آسان نسخہ

کبھی دعوت کی برکت سے خود بھی عمل کی توفیق ہو جاتی ہے، آدمی کو جس کام کو نہ کرنا ہو اور دوسروں

سے کہتا ہو، اس کا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی نہ کبھی اس کو بھی اس عمل کی توفیق ہو جاتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس اچھے کام کو خود نہ کرتا ہو اس پر عمل کرنے کی یہ تدبیر ہے کہ جگہ جگہ اس عمل کی فضیلت اور اس کی خوبی بیان کرے، دوسروں کو اس بات کا حکم دے، جب لوگوں سے بار بار کہے گا تو خود بھی اس کو اس کام کی توفیق ہو جائے گی۔ اسی طرح جتنے غلط کام اور جتنے گناہوں میں کوئی مبتلا ہو، اس کی برائی خوب بیان کرے، جگہ جگہ مختلف مجلسوں میں اس کی مذمت بیان کرے، تو خود بھی اس کام کی نفرت اس کے دل میں بیٹھ جائے گی، اور رفتہ رفتہ ایک دن آئے گا کہ وہ ان سب گناہوں کو چھوڑ دے گا۔

کبھی اپنوں سے اور اپنی قوم سے تکلیف پہنچتی ہے

وَاِذْ قَالَ مُوْسیٰ لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ: (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم مجھ کو کیوں ایذاء پہنچاتے ہو؟ حالاں کہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں)

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ یاد دلایا ہے، اور مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دلانا اور صحابہ کرام کو متنبہ کرنا ہے کہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کریں، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے، حالاں کہ کوئی صحابی قصداً ایسی حرکت نہ کرتا تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے؛ لیکن مزید احتیاط کے لئے صحابہ کو متنبہ کیا گیا ہے۔ بائیسویں پارہ میں حکم دیا گیا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْ مُوْسیٰ﴾ (اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کے جتنے واقعات ہیں وہ سب منافقین کے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کے لوگوں نے پریشان کیا تھا، کبھی اپنی قوم کے لوگوں سے اور اپنے لوگوں سے بھی تکلیف پہنچتی ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کے لوگوں ہی نے پریشان کیا، جس کا قصہ یہ ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی عادت کے مطابق تنہا غسل کرتے تھے، جب کہ بنی اسرائیل کے سارے مرد سب کے سامنے برہنہ ہو کر غسل کرتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام طبعی حیا و شرم کی وجہ سے سب کے سامنے غسل نہ کرتے تھے؛ بلکہ تنہا غسل کرتے تھے، اس پر ان کی قوم

کے لوگوں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں کوئی جسمانی عیب ہے، یہ تنہائی میں غسل کیوں کرتے ہیں، سب کے سامنے برہنہ ہوکر غسل کیوں نہیں کرتے، ضرور کوئی بات ہے یا تو اُن کو برص کی بیماری ہے یا اُن کے خصیتین بڑھے ہوئے ہیں، بڑی بے حیا قوم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس عیب سے بری کرنا چاہا، تمام انبیاء علیہم السلام عالی خاندان کے ہوتے ہیں اور اس طرح کے تمام جسمانی عیوب سے بھی پاک ہوتے ہیں۔

اس کا قصہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تنہائی میں غسل کرنے کے لئے کپڑے اُتار کر پتھر پر رکھ دئے، اور غسل کرنے لگے، جب باہر آئے تو وہ پتھر اللہ کے حکم سے کپڑے لے کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے پیچھے دوڑتے جاتے تھے، وہ پتھر بھاگتا جاتا تھا، جا کر وہاں رکا جہاں ان کی قوم کی مجلس لگی ہوئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام ''ثَوْبِيْ حَجَرُ، ثَوْبِيْ حَجَرُ'' کہتے جاتے اور دوڑتے جاتے تھے، اُن کی قوم کے لوگوں نے دیکھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں کوئی نقص اور عیب نہیں ہے، ان کی شریعت میں ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہونا جائز ہوگا؛ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام طبعی حیا کی وجہ سے احتیاط کرتے تھے، اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں اس پتھر پر چند ڈنڈے مارے، جس سے پتھر پر نشانات پڑ گئے تھے، یہ قصہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔ (بخاری شریف ۱/۴۸۳)

بعض روایات میں آیا ہے کہ یہی وہ پتھر ہے کہ جس سے بعد میں پانی کے چشمے پھوٹے، جس سے بنی اسرائیل سیراب ہوتے تھے۔

بڑوں کی سختی اور مار کا بھی اثر ہوتا ہے اور کبھی نہ کبھی وہ رنگ لاتی ہے

اسی سیاق میں حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ بڑوں کی سختی اور ان کی مار کا بھی اثر ہوتا ہے، اسی لئے ان کی مار کو بھی برا نہ ماننا چاہئے، یہ مار بھی کبھی نہ کبھی رنگ لائے گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس پتھر کو اپنے عصا سے مارا، اس میں نشانات پڑ گئے تھے، اسی نشان سے بعد میں چشمے پھوٹے اور اسی سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے سیراب ہوتے تھے، ہوا سب اللہ کے حکم سے، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مار ہی کا تو اثر تھا، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر کو نہ مارتے تو اس میں یہ نشانات نہ پڑتے، اور یہ صلاحیت پیدا نہ ہوتی، یہ مار ہی کا اثر تھا، بڑوں کی مار کبھی نہ کبھی ضرور اثر دکھاتی ہے۔ تجربہ ہے کہ شروع میں اپنے بڑوں کی،

استاذ کی، باپ کی سختیاں جھیل لے، برداشت کرلے، ناگواری بھی ہو، سب کچھ پی لے، پھر دیکھو بعد میں کیسی برکت ظاہر ہوتی ہے، اگر مارنے والوں نے یعنی بڑوں نے غلط مارا ہو، اور اس مار میں انہیں کا قصور ہو وہ خود مجرم اور اللہ کے یہاں جواب دہ ہوں گے؛ لیکن اس مار کو برداشت کر لینے سے تم پر اچھا ہی اثر ہوگا، اور اس کا فائدہ ہی ہوگا؛ لیکن بس برداشت کرلے اور صبر کرلے، اور آج یہی نہیں ہو پاتا، ذرا کسی نے ڈانٹ دیا، مار دیا، اور غلطی ہی پر مارا بس فوراً منہ پھلالیا، تیور بدل گئے کہ مجھے مار دیا، میرا کیا قصور تھا، مجھے کیوں مارا؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ شروع میں اپنے بڑوں کی طرف سے جتنی سختی ہوتی ہے، ڈانٹ پلائی جاتی ہے، اتنا ہی نکھار پیدا ہوتا ہے، مہندی کو جتنا زیادہ پیسو، پتھر پر زور سے رگڑو، اتنی ہی زیادہ اس میں سرخی آئے گی، نکھار ہوگا، اگر اس کو پیسا نہ جائے، مہندی کہے کہ ہم کو پتھروں میں اتنے زور سے پیسا جارہا ہے، میں یہ سختی نہیں برداشت کروں گی، تو کبھی اس کے اندر سرخی نہ آئے گی، نکھار نہ ہوگا، اس کا کمال ظاہر نہ ہوگا۔ اسی طرح کوئی شاگرد اور طالب علم اپنے بڑوں کی سختی اور مار برداشت کرلے، پھر دیکھو بعد میں اس سے کیسا فیضان ہوتا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مار پتھر کو متأثر کرسکتی ہے اور اس سے چشمے پھوٹ سکتے ہیں، اور اس سے مخلوق سیراب ہوسکتی ہے، تو کیا انسان اس قابل نہیں ہوسکتا کہ بڑوں کی سختی اور مار کی وجہ سے اس کے ذریعہ سے فیض کے چشمے پھوٹنے لگیں، اور دوسرے لوگ اس سے فیض اُٹھائیں؟ جب پتھر فیض رسانی کا ذریعہ بن سکتا ہے تو کیا یہ انسان دوسروں کی سیرابی اور فیض رسانی کا ذریعہ نہیں بن سکتا؟ لیکن شرط یہی ہے کہ پہلے اپنے بڑوں کی سختی برداشت کرے، ان کی مار سہے، ان کی تربیت میں رہے؛ لیکن ہم کچھ بننا ہی نہیں چاہتے، اس لئے کچھ کرنا نہیں چاہتے، کچھ بننے کے واسطے کچھ کرنا پڑے گا، کچھ سہنا پڑے گا۔

حضرت ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے بڑوں کی سختی برداشت کرنے اور مار کھانے کا واقعہ

اِسی ضمن میں حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ دمشق کے بڑے عالم ندوہ میں پڑھاتے تھے، جو مولانا علی میاں ندویؒ کے اُستاذ تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کمرہ سے نکلتے ہوئے مولانا علی میاں صاحبؒ نے دروازہ زور سے بند کیا اور باہر چلے آئے، یہ عرب عالم صاحب سمجھے کہ اس کو میری بات ناگوار ہوئی ہے، اور اس

نے قصداً یہ حرکت کی ہے، اور شرارت کے طور پر دروازہ زور سے بند کیا ہے، ان کو بہت ناگواری ہوئی، غصہ آیا، موقع پاکر مولانا علی میاں صاحبؒ کی ان عرب عالم صاحب نے ڈنڈے سے خوب پٹائی کی؛ بلکہ چپل تک سے پٹائی کی، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے مار کھالی اور اس کا کچھ اثر نہیں لیا، جیسے کچھ ہوا نہیں، صبر کرلیا، کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا، نہ گھر میں جاکر شکایت کی؛ لیکن کسی طرح حضرت مولانا کی والدہ کو علم ہوگیا، اُنہوں نے مولانا علی میاں صاحبؒ سے پوچھا کہ سنا ہے تم کو عرب عالم صاحب نے بہت مارا ہے، اس موقع پر بھی مولانا نے شکایت نہیں کی؛ بلکہ اپنے استاذ کی طرف سے وکالت اور ان کی حمایت کی، اور اس مار کو تربیت وتادیب کے لئے بتادیا، مولانا کی والدہ مطمئن ہوگئیں، حالاں کہ اس وقت مولانا کے بڑے بھائی حضرت ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ندوۃ العلماء کے ناظم تھے، کارروائی کرتے تو بہت کچھ کرسکتے تھے؛ لیکن مولاناؒ نے گھر میں بھی اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ ہی نہیں کیا، اور ایسے رہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، جیسے رہتے تھے ویسے ہی رہتے رہے، اور پڑھتے رہے۔

اِدھر عرب عالم صاحب خطرہ محسوس کررہے تھے، انتظار میں تھے کہ دیکھو میرے خلاف اب کیا کارروائی ہوتی ہے؛ لیکن جب کچھ بھی نہیں ہوا تو ایک دن عرب عالم صاحب نے مولانا علی میاں صاحبؒ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میں نے تم کو اس لئے مارا تھا کہ تم کو میری بات ناگوار ہوئی اور تم نے غصہ میں اس طرح دروازے بند کئے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ نہیں، حضرت میرے دل میں اس کا خیال تک نہیں آیا، حضرت کو غلط فہمی ہوگئی، دروازے زور سے بغیر قصد کے بند ہوگئے، مجھے حضرت کی کوئی بات ناگوار نہیں ہوئی، وہ عرب عالم صاحب شرمندہ ہوئے، معذرت کی اور مولانا کو سینہ سے لگایا اور خوب دعائیں دیں، مولانا علی میاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ اُن کی مار اور ان کی سختی برداشت کرنے اور صبر کرنے کا ہی اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کچھ کام لے رہا ہے، یہ سب بڑوں کی دعاؤں کی برکت ہے۔ واقعی بڑوں کی سختی اور مار کبھی نہ کبھی ضرور رنگ لاتی ہے، اور آج اگر کسی پر ذرا سختی کردی تو دیکھو کیسا منہ بناتے ہیں، اور ہنگامہ کھڑا کردیتے ہیں، اسی لئے آج کل کام کے افراد تیار نہیں ہوتے۔

احقر راقم الحروف جامع عرض کرتا ہے کہ اس قصہ کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے اپنی کتاب ''کاروانِ زندگی'' میں نقل فرمایا ہے، جس کے اخیر میں مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ: ''میں سمجھتا ہوں کہ میرے اس سعادت مندانہ رویہ نے جو محض توفیق الٰہی کا نتیجہ تھا، مستقبل میں میرے لئے عربی زبان وادب کا

ذوق پیدا ہونے اور اس کے ذریعہ سے دین وعلم کی خدمت کرنے کا فیصلہ کرادیا۔ اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہوتی اور میں اپنے کو بری اور مظلوم قرار دیتا اور اپنے محسن ومربی استاذ کو حدود سے تجاوز کرنے والا ثابت کرتا، تو شاید معاملہ برعکس ہوتا اور میں ہمیشہ کے لئے ان کے فیض تعلیم اور عربی زبان وادب میں کامیابی سے محروم کردیا جاتا۔ ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْ اَ اَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ۔ (کاروانِ زندگی ۱/۹۲)

دوسرے موقع پر اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''عرب صاحب نے ہمیں بہت مارا، خبر ہمارے گھر میں پہنچی، والدہ صاحبہ نے ہم سے پوچھا کہ: ''سنا ہے کہ عرب صاحب نے تم کو بے وجہ مارا ہے''۔ اس وقت اللہ نے ہمیں توفیق دی ہم نے عرب صاحب کا پورا دفاع کیا، اور ان کو حق بجانب ٹھہرایا، ہم کہتے ہیں کہ اس وقت کاتب تقدیر قلم لئے کھڑا تھا کہ لکھے ان کو عربی آئے گی یا نہیں؟ اگر ہم عرب صاحب کی شکایت کرتے تو لکھتا کہ ان کو عربی نہیں آئے گی''۔

پھر فرمایا کہ: ''غور کرنے کی بات یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے واقعات مستقبل کا فیصلہ کردیتے ہیں، بہت سے باکمال لوگوں کے حالات میں آپ دیکھیں گے کہ کوئی معمولی واقعہ پیش آیا، جس کو عام لوگ زیادہ اہمیت نہیں دیتے؛ لیکن یہی بات تقدیر بدل دیتی ہے''۔ (مجالس حسنہ، مجلس نمبر ۱۰۱، ص: ۵۷۱)

علماء اور اللہ والوں کی مخالفت کا وبال

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے حضرت اقدس نے یہ تفصیل ذکر فرمائی تھی کہ ان کی قوم نے ان کو ایذاء پہنچائی، بہت ستایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا، ایذاء پہنچانے کے تعلق سے ایک واقعہ ذکر کیا گیا، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو عصا سے مارا تھا۔

اسی سیاق میں حضرت نے فرمایا کہ نبی کے وارث اور جانشین یعنی علماء ومشائخ کو بھی ایذائیں پہنچائی گئی ہیں، ان کو بھی ستایا گیا ہے، دین وشریعت کی اور علماء ومشائخ کی، اور اللہ والوں کی مخالفت کا اثر اور اس کا وبال یہ ہوتا ہے کہ حق بات کے قبول کرنے کی صلاحیت واستعداد ختم ہوجاتی ہے، حق بات اس کے دل پر اثر انداز نہیں ہوتی، یہ بہت بڑا نقصان ہے، لاکھ اس کے سامنے تقریریں کی جائیں، اس کو سمجھانے کی کوشش کی جائے؛ لیکن اس کے دل پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا؛ کیوں کہ قبول حق کی صلاحیت واستعداد اس نے کھودی ہے، بنی اسرائیل کا حال یہی ہوگیا تھا۔ آج بھی علماء ومشائخ اور اللہ والوں کی جو مخالفت کرتے ہیں ان کے قلوب بھی ایسے ہی ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

❍❖❍

خندہ روئی کے ساتھ ملنا

حضرت مولانا اسرارالحق صاحب قاسمی ایم پی وصدر دینی تعلیمی وملی فاؤنڈیشن ذاکر نگر نئی دہلی

ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت خندہ روئی کا مظاہرہ کرنا کھلے دل سے ملنے والے کا احوال دریافت کرنا اور اگر وہ مہمان ہے تو اس کی خاطر داری کرنا یہ اسلام کی تعلیمات و ہدایات کا حصہ ہے۔ یوں تو نرمی اور شگفتہ روئی زندگی کے ہر مرحلے میں مطلوب ہے اور اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے بلکہ قرآن کریم میں آپؐ کی صفتِ رحمت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر آپ سخت طبیعت کے ہوتے تو کوئی آپؐ کے پاس ٹک کر نہیں رہتا، سب بھاگ جاتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''(اے محمد ﷺ!) اللہ کی مہربانی سے تمہاری اُفتادِ مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، تو اُن کو معاف کر دو اور اُن کیلئے (اللہ سے) مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں اُن سے مشورہ لیا کرو اور جب (کسی کام کا) عزمِ مصمم کر لو تو اللہ پر بھروسہ رکھو بیشک اللہ تعالیٰ بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔ (سورۂ آل عمران آیت:۱۵۹)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ''تو وہ اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے الٰہی! مجھے توفیق عطا فرما کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں اُن کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو اُن سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما''۔ (سورۂ نمل آیت:۱۹)

یہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس میں چیونٹی نے ان سے گفتگو کی تھی۔

احادیث میں جگہ جگہ تلقین کی گئی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بلکہ کسی بھی انسان کے ساتھ جب ملے اور ملاقات کرے تو مسکراتے ہوئے اور شگفتہ روئی کے ساتھ ملے، کیوں کہ یہ بھی صدقہ کے درجے میں ہے۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے بھائی کے لئے تمہارا مسکرانا تمہارے لئے صدقہ ہے''۔ (سنن ترمذی حدیث:۱۹۵۶)

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ تم اپنے مال کے ذریعہ تمام لوگوں کی مدد نہیں کر سکتے ہو، البتہ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی اور حسنِ اخلاق کا معاملہ کر کے ان پر خوشیاں بکھیر سکتے ہو''۔ (مستدرک حاکم حدیث: ۴۲۷)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھلائی میں سے کسی بھی چیز کو حقیر نہ سمجھو، اگرچہ یہی کیوں نہ ہو کہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ ملو''۔ (صحیح مسلم حدیث: ۲۶۲۶)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے حسنِ اخلاق کی تعریف یہ کی ہے کہ: ''ہر ایک سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا، ہر ایک کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا، ہر ایک کو تکلیف سے محفوظ رکھنا''۔ (سنن ترمذی حدیث: ۲۰۰۵)

معروف محدث و بزرگ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے کی گئی حسنِ اخلاق کی یہ تعریف واقعتاً نہایت ہی جامع ہے اور اس کے اندر معاشرتی زندگی کے وہ تمام پہلو آ گئے ہیں، جن کے تعلق سے اسلام نے واضح ہدایات دی ہیں۔ معروف صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں: ''جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے تب سے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے پاس آنے سے) کبھی روکا نہیں ہے، اور جب بھی مجھے دیکھا تو مسکراتے چہرے کے ساتھ مجھ سے ملے''۔ (صحیح بخاری حدیث: ۲۴۵۷)

اس حدیث میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ اپنا خاص معاملہ بیان کیا ہے، مگر دیگر تمام انسانوں کے ساتھ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ایسا ہی تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن حارثؓ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا اور کسی کو نہیں دیکھا ہے''۔ (سنن ترمذی حدیث: ۳۶۴۱)

اسی طرح حضرت سماک بن حرب سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن سمرہؓ سے پوچھا: ''کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے؟ کہا: ہاں، بہت زیادہ، آپؐ جس جگہ فجر کی نماز ادا فرماتے تھے، وہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک کہ سورج طلوع نہ ہوتا، جب سورج طلوع ہوتا تب آپ وہاں سے اٹھتے تھے، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مختلف قسم کی گفتگو کیا کرتے تھے، جاہلیت کے زمانے کے واقعات بھی بیان کرتے تھے، جن کو سن کر لوگ ہنستے تھے اور آپ بھی مسکراتے تھے۔ (صحیح مسلم حدیث: ۶۷۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت کی بیماری اور تکلیف کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، یہاں تک کہ جب پیر کا دن ہوا اور لوگ صفوں میں

کھڑے تھے تو نبی کریم ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھنے لگے، آپ ﷺ کا چہرہ گویا کہ قرآن کے ورق کی طرح روشن لگ رہا تھا، پھر آپ ﷺ تبسم فرماتے ہوئے ہنسے''۔ (صحیح بخاری حدیث:۶۸۰)

مذکورہ احادیث اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زندگی تک کے معمولات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مسکراہٹ، نرم دلی، لوگوں میں خوشیاں بانٹنا، ان کی تکلیفوں کو دور کرنے کی فکر کرنا معاشرے کے افراد کے مابین تعلقات وروابط کو مستحکم ومضبوط کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے، مسکراہٹ محبت کا پیغام ہے جو دلوں سے بغض وکینہ کو ختم کر دیتا ہے، غم اور مصیبت کا خاتمہ کر دیتا ہے، دلوں میں الفت پیدا کرتا ہے، کاموں کو آسان بناتا ہے، اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ خیر وثواب کا دروازہ، عبادت اور صدقہ ہے جس پر انسان کو اجر ملتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل کے ذریعہ معاشرے میں مسکراہٹ کو عام کیا، آپؐ بذاتِ خود خندہ روئی اور خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرنے والے تھے، جو بھی آپؐ کو دیکھتا آپ سے محبت کرنے لگتا، یہی حال صحابۂ کرام کا بھی تھا جو اپنی مسکراہٹیں بکھیرتے رہتے تھے، لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور مسکراتے چہرے کے ساتھ ملتے تھے، جس سے وہ ان کی محبت ومودت حاصل کر لیتے، اس کے ذریعہ اپنے حسنِ اخلاق اور عظیم اوصاف کا مظاہرہ کرتے۔ جدید طبی تحقیقات سے بھی ثابت ہوا ہے کہ مسکرانے کے بہت سے طبی اور جسمانی فائدے ہیں، مسکراہٹ بلڈ پریشر کو کم کرنے میں معاون ہے، خون کی گردش کو معتدل ومتوازن رکھنے کا ذریعہ ہے، بلکہ بہت سی بیماریوں اور نفسیاتی دباؤ کے مقابلے میں جسم کی دفاعی قوت میں اضافہ کرتی ہے، دل ودماغ اور جسم پر اس کے اور بھی بہت سے مثبت اثرات پڑتے ہیں۔

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کیجئے، لوگوں کے سامنے مسکراہٹیں بکھیریے، ان کو خوش کیجئے، خاص طور پر رشتہ داروں کو اور قریبی لوگوں کو، جیسے کہ والدین، بیوی، اولاد، قریبی رشتہ دار وغیرہ، مسکراہٹ کی وجہ سے ہی مشکلات حل ہوتے ہیں، اس کے ذریعہ بہت سی قطع رحمیاں صلہ رحمی میں بدل جاتی ہیں، کیا ہی بہتر ہو کہ ہم یتیموں، بیواؤں، معذوروں اور محتاجوں کے ساتھ خندہ پیشانی کا مظاہرہ کریں، ان کو خوش کریں، ان کی معاونت کریں، ان کے چہروں پر مسکراہٹ لانے کا ذریعہ بنیں، یہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل اور اجر کے اعتبار سے عظیم ترین کام ہے۔ اس عمل سے خود ہمارے دل کو بھی سکون ملتا ہے اور روحانی طمانیت حاصل ہوتی ہے، اسلام کتنا عظیم مذہب ہے کہ وہ بظاہر ایک معمولی عمل کے اندر بھی اتنے سارے فوائد اور فضیلتیں رکھتا ہے اور قدم قدم پر اپنے متبعین کو اجر وثواب کی بشارتیں دیتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کی تعلیمات وہدایات کو اپنی عملی زندگیوں میں اتاریں۔

○❖○

اِسلام میں مذہبی رواداری

مولانا مفتی محمد عبداللہ قاسمی استاد دارالعلوم حیدرآباد

دشمنان اسلام جہاں اسلامی تعلیمات پر بہت سارے اعتراضات کرتے ہیں، اور اسے فرسودہ خیالات سے تعبیر کرتے ہیں، وہیں اس کی تعلیمات وہدایات کو وحشیانہ ظالمانہ اور غیر منصفانہ قرار دیتے ہیں، مذہب اسلام سے وابستہ افراد کو ظالم اور دہشت گرد کہتے ہیں، اور اس بات کا اس قدر زور وشور سے پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ گویا مذہب اسلام جبر وتشدد اور ظلم وجور سے عبارت ہے، دامن اسلام سے وابستہ لوگ مروت وانسانیت سے بیگانہ، اور شفقت ومحبت کے جذبات سے عاری ہوتے ہیں، یہ امر حقیقت سے کافی دور اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اگر کوئی غیر متعصب حقیقت پسند انسان اسلامی تعلیمات کا بغور مطالعہ کرے، خلفاء راشدین کے مبارک دور خلافت اور حکومت اسلامی کی زریں عہد کا جائزہ لے، تو وہ اپنے کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور پائے گا کہ دنیا میں واحد اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو امن وآشتی کا علمبردار ہے، اخوت وبھائی چارگی، شفقت وہمدردی، ایثار وقربانی جیسی بلند اور عظیم صفات کا داعی ہے، ایفاء عہد، امانت ودیانت، عدل وانصاف، سچائی وراست بازی پر اس کی بنیادیں قائم ہیں، اسلام اپنے پیروکاروں کو ادائے حقوق کا پابند بناتا ہے، غیروں کے ساتھ رواداری عدل گستری اور فراخ دلی کی تعلیم دیتا ہے، اور یہ تعلیمات صرف نظریاتی حد تک ہی محدود نہیں؛ بلکہ صحابہ کرام تابعین عظام اور ان کے بعد مسلم فرمان رواؤں نے اس پر عمل کرکے دکھایا، اور غیروں کے ساتھ رواداری، فراخ دلی اور عدل وانصاف کے ایسے تابندہ نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک عظمت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جائیں گے۔

اسلام کی سب سے پہلی جنگ، جنگ بدر جس میں مسلمان انتہائی غریبی اور بے سروسامانی کے عالم میں تھے، تعداد اور اسباب کے لحاظ سے کافی کمزور تھے، جب کہ دشمنان اسلام پوری شان وشوکت سے مقابلہ کے لئے آئے تھے، تعداد اور اسباب کے لحاظ سے بھی وہ کافی زیادہ تھے، جنگ سے قبل بارش ہوئی تو مسلمانوں نے پانی جمع کرلیا؛ مگر دشمنوں کو کافی پانی نہیں مل سکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی طرف

سے پانی لینے کی اجازت مرحمت فرمائی، اوران دشمنوں کو جو اسلام اور مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کیلئے آئے تھے پانی سے محروم کرنا گوارا نہیں کیا۔ کیا دنیا اس عظیم رواداری اور فراخ دلی کی مثال پیش کرسکتی ہے؟

غزوۂ بدر میں ستر کفار قید ہو کر آئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اوران کے ساتھ شفقت وہمدردی کی تاکید کی، صحابہ کرام نے ان کا اتنا خیال رکھا کہ خود تو کھجور کھا کر رہ جاتے تھے؛ لیکن قیدیوں کو کھانا پیش کرتے تھے، چناں چہ ابوعزیز قیدی کا بیان ہے کہ انصار جب صبح یا شام ان کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے، اور خود کھجوریں کھاتے مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا۔ (تاریخ طبری ۲/۴۶۱)

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کو معاف کردیا، یہ وہی کفار تھے جنہوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا، دعوت دین کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں، مسلمانوں کو گھر سے بے گھر کیا، ان کے زمین وجائیداد اور مکانات پر قبضہ کرلیا، یہ ایسا وقت تھا کہ ہر ایک کو حق دلایا جاسکتا تھا، کفار مکہ سے انتقام لیا جاسکتا تھا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف انہیں معاف فرمادیا؛ بلکہ مہاجرین کو اپنے حقوق سے دست بردار ہونے کا حکم فرمایا۔ کیا آج کی متمدن اقوام، روشن خیال مغرب اس جیسی حلم وبردباری اور فراخ دلی کی مثال پیش کرسکتے ہیں؟ کیا آج کے مغرب زدہ حکمران اس غایت درجہ شفقت ورحمت کا تصور کرسکتے ہیں؟

عہد رسالت میں کچھ صحابہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر ہم غیر مسلموں پر صدقہ خیرات نہ کریں ان کی مالی امداد نہ کریں، تو ممکن ہے کہ وہ اپنی غربت وتنگدستی سے مجبور ہو کر حلقہ اسلام میں شامل ہوجائیں، تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (البقرہ: ۲۷۲)

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو اس عمل سے منع فرمایا، اور حکم دیا کہ پہلے جس طرح غیر مسلموں پر صدقہ خیرات کرتے تھے اسی طرح اب بھی اس عمل کو جاری رکھیں، اس عمل پر اللہ کی طرف سے انہیں پورا پورا بدلہ اور اجر ملے گا۔ (السنن الکبری للنسائی، حدیث نمبر: ۱۰۹۸۶)

آج عیسائی مبلغین اپنے مذہب کی ترویج واشاعت میں کیا کیا ہتھکنڈے اختیار نہیں کرتے؟ اپنے باطل اور غلط نظریات کو دنیا میں فروغ دینے کے لئے کیا کیا تدابیر نہیں کرتے؟ لیکن یہ اسلام ہے کہ وہ غیروں کو دین کے معاملہ میں غور وفکر کا موقع دیتا ہے، کسی کے اوپر زبردستی وہ اپنے نظریات وعقائد کو نہیں تھوپتا۔

ایام جاہلیت میں سفراء کو قتل کرنے کی عام روایت تھی، اسلام نے آ کر اس قبیح روایت کو ختم کیا، مسیلمہ کذاب کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سفیر آیا، اور اس نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی گستاخانہ گفتگو کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اسلام میں سفیر کو قتل کرنے کی اجازت ہوتی تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ (ابوداود، حدیث نمبر: ۲۷۶۱)

ایک قیدی سہیل بن عمر بڑا آتش بیان مقرر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بڑی گستاخیاں کرتا تھا، جب وہ قید کر کے لایا گیا تو صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اس کے دانت اکھڑوا دیئے جائیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر میں اس کے دانت اکھاڑ دوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ میرے دانت اکھاڑیں گے اگرچہ میں نبی ہوں۔ (الطبقات الکبری حدیث نمبر: ۱۹۷)

دشمنوں کے مظالم سے تنگ آ کر ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے حق میں بددعاء کرنے کی درخواست کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ (مسلم شریف حدیث نمبر: ۲۵۹۹)

غزوۂ احد میں کفار مکہ نہایت غیظ وغضب میں مسلمانوں پر حملہ کر رہے تھے، حتی کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تیروں کی بارش کی، ایسے سخت حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ کہا: ''اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ''۔ (اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے؛ کیوں کہ وہ نہیں جانتے، پھر جب ان کا حملہ سخت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کَیْفَ یُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوْا نَبِیَّھُمْ وَکَسَرُوْا رُبَاعِیَتَہٗ وَھُوَ یَدْعُوْھُمْ اِلَی اللّٰہِ''۔ (وہ قوم کیسے کامیاب ہوسکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا اور اس کے دانتوں کو توڑ دیا جب کہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے) لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ آہ بھی پسند نہیں آئی جس پر متنبہ کرنے کے لئے مذکورہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ (مسلم شریف حدیث نمبر: ۱۷۹۱) (آپ کا اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں ہے، چاہے اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا اُنہیں عذاب دے؛ کیوں کہ وہی لوگ ظالم ہیں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دور خلافت میں قبیلہ بکر کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر ڈالا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ قصاص کے لئے قاتل کو مقتول کے وارث کے حوالہ کیا جائے؛ چنانچہ قاتل کو مقتول کے وارث کے حوالہ کیا گیا اور انہوں نے اسے

قتل کردیا۔ (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ۲/۲۶۳)

سن ۲۱ ہجری میں مسلمان لشکروں میں سے ایک لشکری نے حضرت عیسی علیہ السلام کی تصویر کی ایک آنکھ ضائع کردی، عیسائی لوگ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور کہا کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بنا کر ہمارے حوالہ کیجئے، تاکہ ہم بھی آنکھ ضائع کرکے بدلہ لیں، تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تصویر دینے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم موجود ہیں ہماری آنکھ پھوڑ کر بدلا لے لو، یہ کہہ کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنا خنجر اس کے حوالہ کیا، اور اپنی آنکھ پیش کردی، یہ دیکھ کر عیسائیوں نے کہا کہ جس قوم کے لوگ اتنے بہادر و جری ہوں پھر بھی عدل وانصاف کا اس قدر لحاظ ہو اس سے بدلہ لینا بڑی ناانصافی ہوگی۔

یہ اسلامی تعلیمات وہدایات ہیں، جس کے چند عملی نمونے عہد نبوی اور سیرت صحابہ سے پیش کیے گئے ہیں، اس کے برخلاف عیسائی حکمرانوں نے غیر عیسائیوں کے ساتھ کیسے کیسے سفاکانہ ظالمانہ وحشیانہ سلوک کیے ہیں؟ اپنے دین کی ترویج واشاعت میں کتنی زور زبردستی سے کام لیا ہے؟ مخالفین کو کتنی بری طرح زدکوب کیا ہے؟ اس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، دراصل اس طرح کے اعتراضات اسلام پر وہی لوگ کرتے ہیں جن کا دامن ویتنام کے معصوم اور بے گناہوں کے خون سے آلودہ ہے، جنہوں نے عراق وافغانستان میں ذاتی مفاد کی خاطر لاکھوں معصوموں کو موت کے گھاٹ اتارا، جنہوں نے جاپان پر ایٹم بم گرا کر نسل انسانی کو تباہ وبرباد کیا۔

دنیا میں اسلام ہی ایسا واحد مذہب ہے جس میں سسکتی اور تڑپتی انسانیت کے لئے سکون وتسلی کا سامان ہے، سرگرداں پیاسے انسانوں کے لئے ابر رحمت ہے، اسلامی اصول وضوابط کو اپنا کر ہی دنیا میں ہر طرف امن وامان خوش حالی کا تصور کیا جاسکتا ہے، اور چین وسکون اخوت ومحبت کا خوش گوار ماحول بن سکتا ہے، آج دنیا میں بے چینی اور انتشار کی کیفیت پائی جارہی ہے، ہر شخص دوسرے سے دست بگریبان ہے، ضعیف وکمزور طاقتور کی دست درازی کا شکار ہے، مال ودولت پر متمول لوگوں کی اجارہ داری ہے، سیاسی، معاشی، اقتصادی ہر شعبہ بدعنوانی اور کرپشن سے بھرا ہوا ہے، اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ لوگوں نے اسلامی تعلیمات وہدایات کے بجائے مغربی اصول ونظام کو لاگو کیا ہے، ہر شعبہ حیات میں انگریزوں کے طور وطریق کی نقالی کی ہے، اگر لوگ اسلامی اصول وقوانین پر عمل کریں، قرآنی ہدایات وارشادات کو شعبہ ہائے حیات میں نافذ کریں، تو عجب نہیں کہ یہ چارسو بدل جائے، اور انسانیت جس چین وسکون خوش حالی وترقی کا خواب دیکھ رہی ہے وہ شرمندہ تعبیر ہو۔ اللہ تعالی ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔ ❍ ❖ ❍

گوشۂ سیرت پاک ﷺ:

بہترین عمل

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي، حَسَنُهَا وَ سَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِيْ مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الأَذٰى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيْقِ، وَوَجَدْتُ فِيْ مَسَاوِئِ أَعْمَالِهَا النُّخَاعَةُ تَكُوْنُ فِيْ الْمَسْجِدِ لاَ تُدْفَنُ". (مسلم شريف، احكام المساجد رقم: ۵۵۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل فرماتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے میری امت کے اعمال پیش کئے گئے، اچھے بھی اور برے بھی، میں نے امت کے بہترین اعمال میں سے ایک عمل تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا پایا اور بُرے اعمال میں سے ایک عمل یہ پایا کہ مسجد میں بلغم پڑا ہوا اور اسے دفنایا نہ گیا ہو۔ (ہٹایا نہ گیا ہو)

راوی حدیث حضرت ابوذر غفاریؓ، ایک جلیل القدر صحابی اور سابقین اولین میں سے ہیں، پہلے پہل جن لوگوں نے اسلام قبول فرمایا، ان میں پانچواں نمبر حضرت ابوذر غفاریؓ کا آتا ہے، تقویٰ و پارسائی اور دنیا بیزاری میں ابوذر غفاریؓ کا نام نامی اسم گرامی ضرب المثل اور بہت معروف ومشہور ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: میرے سامنے میری امت کے اچھے اور برے اعمال پیش کیے گئے، اچھی کارکردگی اگر امت کے افراد کی جانب سے ہوتی ہے، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوتی ہے اور اگر امت کے افراد برا کام کرتے ہیں، سنتوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں احکام خداوندی کو پامال کرتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے، اس لیے ہر مومن کو زندگی میں کوئی بھی قدم اُٹھانے سے قبل ایک لمحہ کے لیے یہ سوچنا چاہیے کہ کہیں میرا یہ عمل اور قدم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اذیت وتکلیف کا باعث تو نہیں بن رہا ہے، بہرحال آپ فرماتے ہیں کہ امت کے اعمال میرے سامنے پیش کیے گئے، جن میں اچھے اعمال بھی تھے برے بھی، میں نے تمام اعمال کا جائزہ لیا۔ اور

ان میں بہترین عمل جس کو پایا وہ یہ ہے کہ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا جائے، دور کر دیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ایسی زندگی گزارے کہ اس کی ذات کسی کے لیے تکلیف، مضرت اور نقصان کا سبب نہ ہو بلکہ وہ پوری قوم وملت اور ساری انسانیت کے لیے سودمند اور نفع بخش ہو کر زندگی گزارنے والا ہو، راستہ میں اس کو اگر کوئی ایسی چیز پڑی ہوئی دکھائی دے رہی ہے جو چلنے والوں کے لیے تکلیف کا باعث بن سکتی ہے، مثلاً کانٹے پڑے ہوئے ہیں، کیلے کے چھلکے پڑے ہوئے ہیں، اور گندی اور غلیظ چیزیں پڑی ہوئیں ہیں تو اسے راستہ سے ہٹا دے۔

یہ ایک معمولی چیز ہے جس کو ہمارے معاشرہ میں اہمیت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، بسا اوقات ہم خود اپنی ذات کے لیے ایسے کام کر گزرتے ہیں جو دوسرے کے لیے نقصان کا سبب بن جاتا ہے، مثال کے طور پر عام راستہ اور گزرگاہ ہے جس کو ہم نے اپنے عمل کی وجہ سے تنگ کر دیا، چلنے والوں کے لیے دقت پیش آرہی ہے، راستہ کو گھیر کر کھڑے ہو گئے، اب اس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً دکانوں کا سامان حدود سے تجاوز کر کے سڑک کے کنارے لگا دیا جائے جیسا کہ عام طور پر بازاروں میں دیکھنے کو ملتا ہے، سڑک کے دونوں طرف کے دوکاندار اپنا اپنا سامان آگے نکال لیتے ہیں، نتیجتاً راستہ تنگ ہو جاتا ہے اور گزرنے والوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یاد رکھئے اگر ہمارے کسی عمل سے کشادہ راستہ میں تنگی ہو رہی ہے اور عام راہ چلنے والوں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، تو ہم اسلامی ادب کی خلاف ورزی کرنے والے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات اور ہدایات کو نظر انداز کرنے والے قرار دئے جائیں گے، اسی طرح ہم مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں، ہمارے بہت سے بھائی سائیکل اور موٹر سائیکل سے آتے ہیں اور صدر دروازے کے سامنے اپنی سائیکل وغیرہ کھڑی کر کے چلے آتے ہیں، اور جب مجمع نماز سے فارغ ہو کر باہر آتا ہے تو راستہ میں کھڑی ہوئی ان چیزوں کی وجہ سے بھیڑ اکٹھی ہو جاتی ہے اور جام ہو جاتا ہے اور وہ کشادہ راستہ جو بہت سے لوگوں کو چلنے کے لیے آسانی فراہم کرتا ہے، ہمارے اس عمل سے تنگ ہو جاتا ہے، حالانکہ اگر ہم ابتداء ہی میں تھوڑا دھیان دے لیں اور ایسی جگہ پر اپنی سواریوں کو کھڑی کر لیں جہاں راہ گیروں کو تکلیف نہ ہو تو معمولی سی توجہ کی وجہ سے ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کرنے والے قرار دئے جائیں گے، حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

ارشادگرامی کا منشاء یہ ہے کہ ہرایسی چیز جو عام آدمیوں کے استعمال میں رہتی ہے، ہم جب اس کا استعمال کریں تو اس انداز سے کریں کہ کسی کو اذیت نہ ہو، مثلاً پبلک مقامات میں عمومی طور پر جو استنجے خانے ہوتے ہیں، مسجدوں کے استنجے خانے ہوں یا مدارس کے، ریلوے اسٹیشن کے ہوں یا بس اسٹینڈ کے، یہ عام ہوتے ہیں جو چاہے اسے استعمال کرسکتا ہے، اگر کسی کو ایسے مقامات پر استنجا خانہ کے استعمال کرنے کی ضرورت پیش آرہی ہے تو استعمال کے بعد جب وہ باہر نکلے تو ایسی صفائی کرکے آئے کہ بعد میں آنے والے کسی شخص کو ناگواری محسوس نہ ہو، اذیت اور تکلیف نہ ہو، عام طور پر اس طرف دھیان نہیں دیا جاتا، آدمی اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد باہر چلا آتا ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ میں اپنی ضرورت پورا کرنے کے بعد اس مقام کو کس طرح چھوڑ کر آرہا ہوں، ہم اگر صاف کرکے باہر نہیں آئیں گے تو جو شخص ہمارے بعد اس میں داخل ہوگا اور وہ صورت حال کو دیکھے گا تو وہ ہماری بدتہذیبی کی علامت ہوگی، فوراً وہ ہمارے سلسلہ میں تصور قائم کرلے گا کہ کس طرح کے لوگ ہیں ان کے یہاں صفائی ستھرائی کا کوئی خیال ہی نہیں ہے اور اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں، ان معمولی معمولی چیزوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو متوجہ فرمایا ہے اور ایسی پاکیزہ زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی ہے جو ہر شخص کے لیے نفع بخش اور سودمند ہو۔

گھروں کو صاف رکھو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں ارشاد فرمایا:

نَظِّفُوْا أَفْنِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ. (ترمذی شریف، الادب، ماجاء فی النظافة)

اپنے گھر کے صحن اور خاص طور پر سامنے والے حصے کو صاف ستھرا رکھو، یہودیوں کی مشابہت اختیار مت کرو

اس کا مطلب یہ ہے ان کے یہاں صفائی ستھرائی پر توجہ نہیں ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اہتمام کرنے کی تلقین فرمارہے ہیں، اگر گھروں اور قیام گاہوں کو صاف نہیں رکھا جائے گا تو یہودیوں کی مشابہت قرار دی جائے گی؛ لیکن آج صورت حال اس کے برعکس ہوتی چلی جارہی ہے، یہودیوں کی بستیوں میں چلے جائیں تو وہاں غلاظت گندگی اور نجاست کے ڈھیر آپ کو نہیں دکھائی دیں گے؛ لیکن مسلم آبادیوں میں چلے جائیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گندگی غلاظت اور نجاست کا ڈھیر ان بستیوں کی علامت اور نشانی ہے، جن گلیوں اور محلوں میں ہماری آبادی ہے جگہ جگہ وہاں کوڑے کے انبار دکھائی دیتے ہیں، ایک

آدمی گھر کا کوڑا جمع کرتا ہے اور دروازے سے باہر ہاتھ نکال کر وہیں پھینک دیتا ہے، اسے کوئی احساس نہیں کہ یہ کوڑا گلی میں پڑا ہوا ہے، آنے جانے والے کے لیے تکلیف کا باعث بنے گا، کوئی گزر رہا ہے، اچانک اس کے کپڑوں کے اوپر پڑ سکتا ہے، یہ چیز بدنما محسوس ہوگی، اور جب آدمی مسلسل یہ کام کرتا رہتا ہے تو اس کا احساس بھی مردہ ہو جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ صفائی ستھرائی کا اہتمام کرو، جسم صاف ہونا چاہیے، لباس صاف ہونا چاہئے، قیام گاہ صاف ہونی چاہیے، جن بستیوں میں قیام ہوتا ہے وہ بستیاں صاف ہونی چاہئیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہمیں بتا رہا ہے کہ صفائی کی کتنی اہمیت ہے، اور تکلیف دہ چیزوں کو راستہ سے ہٹانا کتنے بڑے ثواب کا کام ہے۔

مسجدوں کو صاف رکھو!

دوسرے جملہ میں آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے امت کے برے اعمال میں سے ایک عمل مسجد کے اندر تھوک بلغم یا کسی گندگی کو پڑا ہوا دیکھنا اور ہٹانے کی فکر نہ کرنا پایا، اس ہدایت سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امت کو یہ تلقین کی ہے کہ ہماری مسجدیں نہایت صاف ستھری ہونی چاہئیں اور کسی طرح کی گندگی، نجاست اور غلاظت کی قبیل سے کوئی چیز ہماری مساجد کے اندر نہ پائی جائے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت شریفہ یہ تھی کہ اگر آپ مسجد میں کسی ایسی چیز کو دیکھتے جو مسجد کے آداب اور تقدس کے منافی ہوتی تو اپنے دست مبارک سے اس چیز کو اٹھا کر دور پھینک دیتے، اور آج ہماری صورت حال یہ ہے کہ اگر مسجد میں ہمیں کوئی گندگی دکھائی دیتی ہے تو ہم سے خود تو اسے صاف کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، اور انتظامیہ کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ساری ذمہ داری انہی کی ہے، یہ ٹھیک ہے نظم کے اعتبار سے ان کی ذمہ داری ہے؛ لیکن ہمارا بھی ایمانی اور اسلامی فریضہ ہے کہ خود آگے بڑھ کر اس کو مسجد کے حدود سے باہر نکالیں، اس نیت سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ عظیم عمل انجام دیا ہے۔

مسجد کی خدمت کا اجر

مسجد کی صفائی بہت بڑی نعمت اور سعادت ہے، ایک خاتون مسجد نبوی کی صفائی کیا کرتی تھیں جن کا نام ام محجن تھا، صبح شام آتی تھیں اور مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھیں، ایک مرتبہ کئی روز گزر گئے ام محجن مسجد میں نظر نہیں آئیں، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ فلاں بڑی بی جو صفائی کے لیے آتی

تھیں وہ کئی روز سے دکھائی نہیں دے رہی ہیں تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کا تو کئی روز قبل انتقال ہو گیا، اور ہم نے رات میں ہی ان کی تدفین کر دی چونکہ دیر رات ہوگئی تھی اس لیے ہم نے آپ کو باخبر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو آپ پر بڑا اثر ہوا، ارشاد فرمایا: ''دُلُّوْنِیْ عَلٰی قَبْرِهَا'' مجھے اس کی قبر بتلاؤ، صحابہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بڑی بی کی قبر پر لے گئے آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، مغفرت کی دعا فرمائی اور پھر آپ نے قبر کی طرف مخاطب ہو کر ایک سوال کیا: أَيُّ الْعَمَلِ وَجَدتِّ أَفْضَلَ؟ پوچھا کہ ام محجن تم دنیا سے چلی گئیں یہ بتاؤ کہ یہاں سے جانے کے بعد زندگی میں کئے گئے نیک اعمال میں سے سب سے بہترین عمل کونسا پایا، صحابہ کرام آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھنے لگے یا رسول اللہ! کیا یہ خاتون آپ کے سوال کو سن رہی ہیں۔ ان کا تو انتقال ہو چکا ہے، کئی روز قبل ان کو قبر میں دفن کیا جا چکا ہے۔ آپ اس طرح سوال فرما رہے ہیں جیسے یہ سن رہی ہوں، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهَا تم اس سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ پھر کچھ دیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توقف فرمایا، اس کے بعد آپ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ اس نے کیا جواب دیا، صحابہ کرامؓ نے کہا: اللہ ورسولہ اعلم اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس عورت نے جواب دیا ہے کہ میں نے تمام اعمال میں سب سے افضل عمل مسجد کی خدمت اور اس کی صفائی کو پایا (بخاری ح ۴۵۸ والطبرانی فی الکبیر ۹۷۹/۸)

تو یہ اتنی عظیم چیز ہے اللہ تعالیٰ جس کسی کو بھی مسجد کی خدمت کے لیے قبول فرمالیں، اسے اس خدمت کو اپنے لیے سعادت اور خوش نصیبی تصور کرنا چاہیے۔

ایک صحابیؓ کا واقعہ

شروع اسلام میں ایک صحابی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سوال کیا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ؟ یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا أَعْدَدتَّ لَهَا؟ (بخاری شریف حدیث: ٦١٧١) تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ یہ بعد میں پوچھنا کہ قیامت کب آئے گی، پہلے یہ بتاؤ تم نے تیاری کیا کر رکھی ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ کوئی خاص تیاری تو ہے نہیں البتہ آپ سے دلی محبت ہے، قلبی تعلق اور لگاؤ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ انسان کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرنے والا ہے، اگر مجھ سے محبت ہے تو ان شاء اللہ آخرت میں میری ہم نشینی اور رفاقت تمہیں نصیب ہوگی، پھر وہ صحابی جو یہ سوال کر رہے تھے گئے اور مسجد کے ایک کونے میں جا کر نماز پڑھنی شروع کی، نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو انھوں نے دعا مانگی اور دعا بھی عجیب انداز سے کہنے لگے: الہ العالمین! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ فرما، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دعا سنی تو آپ کے چہرۂ انور پر بھی تبسم کے آثار نمایاں ہوگئے، فرمانے لگے کہ عجیب آدمی ہو اللہ کی رحمت کو محدود کر رہے ہو، وہ تو دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں پر اگر مسلسل بھی رحمت نازل فرمائیں گے تو بھی خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ تم نے ایک غیر محدود چیز کو محدود کر دیا، پھر ان کو پیشاب کی حاجت ہوئی تو مسجد کے ہی ایک کونہ میں بیٹھ کر پیشاب کرنا شروع کر دیا، اس لیے کہ آداب کا علم نہیں تھا، صحابہ کرامؓ نے جب دیکھا کہ یہیں پیشاب کرنے لگے تو وہ ان کی طرف دوڑے اور شور مچایا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو روک دیا۔ ارشاد فرمایا: بیچ میں مت روکو، پیشاب کرنے دو (اس لیے کہ اگر بیچ میں پیشاب کا بند لگ گیا تو اور پریشانی کھڑی ہوجائے گی) جب وہ پیشاب کر کے فارغ ہوگئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا: انھوں نے جہاں پیشاب کیا ہے اس پر پانی کی ایک بالٹی بہا دو اور صاف کر دو۔ پھر صحابہ کو سمجھایا کہ تم لوگوں کو دنیا میں سہولت پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے تشدد کرنے اور سختی کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہے، یہ ایک نئے اسلام میں داخل ہونے والے شخص ہیں آداب اسلامیہ کا ان کو علم نہیں ہے، اگر شروع میں یہ شریعت کے خلاف کوئی عمل کر رہیں ہیں اور تم سختی کے ساتھ نمٹنے کی کوشش کروگے تو تمہارے مذہب سے یہ متنفر اور بیزار ہوجائیں گے اور قریب ہونے کے بجائے دور ہوجائیں گے۔ اس لیے حکمت کے ساتھ ان کو سمجھائیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بلایا اور سمجھایا کہ یہ مساجد صرف اللہ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں، اس لیے ان کا تقدس وعظمت دل میں ہونا چاہیے اور اس طرح کا کوئی کام مسجد میں نہ ہونا چاہئے جو اس کی عظمت وتقدس کے منافی ہے۔ (ابوداؤد شریف، الطہارۃ، باب الأرض یصیبہا البول ح: ۳۸۰)

❍❖❍

تیسری قسط

منشیات کا بڑھتا ہوا رواج

اور شرعی ہدایات

مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

شراب گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے

روایات میں وارد ہوا ہے کہ شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو پیالے لائے گئے، ایک شراب کا، دوسرا دودھ کا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ لے لیا، اس پر حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی هَدَاکَ لِلْفِطْرَةِ، لَوْأَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ اُمَّتُکَ. (سنن النسائی/ ٥٦٦٠)

اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا، اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ شراب خلاف فطرت چیز ہے، اور اس راستے سے گمراہی بہت جلد اپنی جگہ بناتی ہے۔

شراب کی عادت اپنے کو شیطان کا مستقل تابع وغلام بنالینا ہے

شراب ونشہ کی عادت انسان کو ہوش وخرد سے بیگانہ کردیتی ہے، اور انسان کو مکمل طور پر شیطان کے کنٹرول میں پہنچادیتی ہے، ایسا شخص شیطان کا غلام وتابع بن کر ہر وہ حرکت کرتا ہے جو اسے تباہ و برباد کرڈالے، ایک حدیث میں اس حقیقت کو انتہائی صریح الفاظ وانداز میں یوں بیان کیا گیا ہے:

لا یَزَالُ الْعَبْدُ فِیْ فُسْحَةٍ مِنْ دِیْنِهِ مَالَمْ یَشْرَبِ الْخَمْرَ، فَإِذَا شَرِبَهَا خَرَقَ اللّٰهُ عَنْهُ سِتْرَهُ، وَکَانَ

بندہ جب تک شراب نہیں پیتا، دین کے پردے اور لباس میں رہتا ہے، پھر جب وہ شراب پی لیتا ہے تو اللہ اس کا پردہ چاک کردیتا ہے، پھر شیطان اس کا

الشَّيْطَانُ وَلِيُّهُ وَ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَرِجْلَهُ، يَسُوْقُهُ اِلَى كُلِّ شَرٍّ، وَيَصْرِفُهُ عَنْ كُلِّ خَيْرٍ. (كنز العمال:۱۳۷/۵ بحواله طبرانی بروایت حضرت قتادہ بن عیاش)

دوست ہی نہیں، بلکہ اس کا کان، اس کی آنکھ، اس کا پیر بن جاتا ہے، اسے ہر شر کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے اور اسے ہر خیر سے روک دیتا ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ابلیس کا یہ کہنا ہے:

اِذَا سَكِرَ اَحَدُهُمْ اَخَذْنَا بِخِزَامَتِهِ، قُدْنَاهُ حَيْثُ شِئْنَا، وَعَمِلَ لَنَا بِمَا اَحْبَبْنَا. (شعب الايمان:بيهقي:باب في المطاعم والمشارب:۱۳/۵)

کچھ چیزوں میں آدم کی اولاد نے مجھے ضرور عاجز و ناکام بنادیا ہے، ان میں میرا بس نہیں چل پاتا، لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں، جن میں وہ مجھے بے بس و ناکام نہیں کر سکتے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ان میں سے کوئی نشہ میں ہوتا ہے، بے بس ہوجاتا ہے، مکمل ہمارے قبضہ میں آجاتا ہے، ہم اس کی نکیل پکڑتے ہیں، اور جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں، اور جو چاہتے ہیں کراتے ہیں، اسے کرنا ہوتا ہے۔

شراب نوشی کے ساتھ دعائیں قبول نہیں ہوتیں

دعاؤں کا قبول نہ ہونا اللہ کی طرف سے ایک بڑا عذاب اور اس کے غضب کا واضح اعلان ہے، احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اعمال جن کی نحوست سے بندہ کی دعاء اللہ کی بارگاہ میں مقام قبول پانے سے محروم رہ جاتی ہے، ان میں ایک عمل شراب نوشی بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ وَضَعَ الْخَمْرَ عَلَى كَفِّهِ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ دَعْوَةٌ. (كنز العمال:۱۳۸/۵)

جو اپنے ہاتھ میں شراب لیتا ہے (تاکہ پیئے) اس کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔

مے نوشی اللہ کی رحمت سے دوری کا سبب ہے

احادیث میں جگہ جگہ یہ صراحت آئی ہے کہ شراب ونشہ کی لعنت انسان کو اللہ کی رحمت سے محروم اور ملائکہ رحمت سے دور کردیتی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

ثَلَاثَةٌ لَا تَقْرَبُهُمُ الْمَلَائِكَةُ: اَلْجُنُبُ،

تین بدنصیب ایسے ہیں کہ رحمت کے فرشتے ان کے

وَالسَّکْرَانُ، وَالْمُتَضَمِّخُ بِالْخَلُوْقِ.

(الترغیب والترھیب للمنذری ۳/۲۶۱)

قریب بھی نہیں آتے: (۱) جنبی (وہ ناپاک جو جان بوجھ کر پاکی حاصل کرنے میں تاخیر اور کوتاہی کرے) (۲) نشہ میں بدمست (۳) وہ مرد جو (عورتوں کیلئے مخصوص) خوشبو میں ہمہ وقت لت پت رہتا ہو۔

شراب ونشہ کی لعنت دنیا ہی میں اللہ کے عذاب کو دعوت دیتی ہے

مختلف احادیث میں اس طرح کا مضمون آیا ہے کہ جو معاشرہ شراب کا عادی ہوجاتا ہے، وہ اپنے عمل سے اللہ کے عذاب اور غضب کو دعوت دینے والا بن جاتا ہے، اور عجب نہیں کہ اللہ کا عذاب ایسے لوگوں پر ٹوٹ پڑے، واضح رہے کہ عذاب الٰہی مختلف شکلوں میں آتا ہے، سیلاب، زلزلہ، قحط، دشمن کا تسلط، رزق کی بے برکتی ، یہ سب غضب الٰہی کے مظاہر ہیں، اور ایسے نمونے دنیا میں جابجا نظر آتے ہیں۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے:

لَیَکُوْنَنَّ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ، وَذَالِکَ اِذَا شَرِبُوْا الْخَمْرَ وَاتَّخَذُوْا الْقَیْنَاتِ وَضَرَبُوْا بِالْمَعَازِفِ. (کنزالعمال: ۵/۱۳۷)

اس امت میں بھی زیر زمین دھنسا دیئے جانے، پتھروں کی بارش اور شکلیں صورتیں بگاڑ دیئے جانے کا عذاب آکر رہے گا، اور یہ اس وقت ہوگا جب لوگ شراب کے رسیا ہوجائیں گے، رقاصائیں عام ہوجائیں گی، اور رقص وسرود کی محفلیں خوب سجیں گی۔

حضرت ابو مالک اشعریؓ سے مروی ہے:

لَیَشْرَبَنَّ اُنَاسٌ مِنْ اُمَّتِی الْخَمْرَ، یُسَمُّوْنَهَا بِغَیْرِ اسْمِهَا، وَیُضْرَبُ عَلٰی رُؤُوْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْقَیْنَاتِ، یَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ، وَیَجْعَلُ مِنْهُمْ قِرَدَةً وَخَنَازِیْرَ. (ایضاً)

میری امت میں ضرور کچھ لوگ ایسا کریں گے کہ وہ شراب کا نام بدل بدل کر استعمال کریں گے، رقص وسرود میں مبتلا ہوں گے، اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے گا، اور انہیں بندر وخنزیر بھی بنادے گا۔

شراب نوشی کی ہولناک اخروی سزائیں

احادیث میں جابجا شراب نوشی کی بدترین اخروی سزاؤں کا ذکر آیا ہے، ایک حدیث میں تو یہاں تک فرمایا گیا:

مَنْ مَاتَ مُدْمِنَ الْخَمْرِ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ

جو شراب کا عادی توبہ کئے بغیر مرجائے گا، اللہ اس کو

نَهرِ الْغُوطَةِ، وَهُوَ نَهرٌ يَجرِي مِنْ فُرُوجِ الْمُومِسَاتِ، يُؤْذِي اَهْلَ النَّارِ رِيحُ فُرُوجِهِمْ. (مسند احمد)

نہرِ غوطہ کا پانی پلائے گا، یہ وہ نہر ہے جو زانیہ عورتوں کی شرم گاہوں کی گندگی سے جاری ہوتی ہے، اس کی بدبو سے خود اہل جہنم سخت ایذاء میں مبتلا ہوں گے۔

مزید فرمایا گیا کہ اللہ نے اپنے ذمہ ضروری کرلیا ہے کہ جو شخص دنیا میں نشہ آور چیز استعمال کرے، اس کو قیامت میں اہل جہنم کی پیپ پلائی جائے گی۔ (ابوداؤد: ۳۶۸۰)

ارشادِ نبوی ہے:

لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ. (ابن ماجه رقم: ۳۳۸٦)

شراب کا عادی مجرم جنت میں (بغیر سزا بھگتے) داخل نہیں ہوسکے گا۔

ایک حدیث قدسی میں یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ رب العزت نے جنت تیار کرنے اور مزین کرنے کے بعد جنت کو خطاب کرکے فرمایا:

وَعِزَّتِي: لَايَدْخُلُكِ مُدْمِنُ خَمْرٍ. (كنز العمال ۱٤۱/٥)

میری عزت کی قسم: شراب کا عادی مجرم (بغیر سزا پائے) یہاں داخل نہ ہوسکے گا۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الآخِرَةِ إِلَّا أَنْ يَتُوبَ. (ايضاً ۳۳۷۳)

جو دنیا میں شراب نوشی کرے گا، اور توبہ نہیں کرے گا، وہ آخرت کی شراب طہور سے محروم رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے:

مَنْ مَاتَ وَ هُوَمُدْمِنُ خَمْرٍ، لَقِيَ اللّٰهَ وَ هُوَ مُسْوَدُّ الْوَجْهِ، مُظْلِمُ الْجَوْفِ، لِسَانُهُ سَاقِطٌ عَلَى صَدْرِهِ يَقْذَرُهُ النَّاسُ. (كنز العمال ۱٤۳/٥)

جو شراب کا عادی اسی حال میں مرجائے وہ اللہ سے اس طرح ملے گا کہ اس کا چہرہ سیاہ، دل تاریک، زبان سینہ پر لٹکی ہوئی ہوگی، لوگ اس سے گھن کر رہے ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے:

مَنْ مَاتَ وَ فِي بَطْنِهِ الْخَمْرُ، فَضَحَهُ اللّٰهُ عَلَى رُؤُوسِ الْاَشْهَادِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (كنز العمال ۱٤۳/٥)

جو اس حال میں مرجائے کہ اس کے پیٹ میں شراب ہو، اللہ قیامت کے دن اسے برسرِعام رسوا فرمائے گا۔

حضرت قیس بن سعدؓ سے منقول ہے:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ اَتَی عَطْشَانَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (کنز العمال ۱۳۸/۵)

جو شراب پیتا ہے وہ قیامت کے دن پیاسا اٹھایا جائے گا۔

حضرت حسنؓ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَلْقَی اللّٰهُ شَارِبَ الْخَمْرِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حِیْنَ یَلْقَاهُ وَ هُوَ سَکْرَانُ فَیَقُوْلُ: وَیْلَکَ مَا شَرِبْتَ؟ فَیَقُوْلُ: اَلْخَمْرَ، فَیَقُوْلُ: اَلَمْ اُحَرِّمْهَا عَلَیْکَ؟ فَیَقُوْلُ: بَلٰی، فَیُؤْمَرُ بِهٖ اِلَی النَّارِ. (کنز العمال ۱۴۴/۵)

شراب نوش نشہ کی حالت میں قیامت کے روز اللہ سے ملے گا، اللہ پوچھے گا: تیرا برا ہو، تو نے کیا پی رکھا ہے؟ وہ بولے گا: شراب، اللہ فرمائے گا: کیا میں نے تم پر شراب حرام نہیں کردی تھی؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں، اس پر اللہ کی طرف سے اسے جہنم میں داخل کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

نشہ آور چیزوں کے استعمال کے ساتھ نمازیں قبول نہیں ہوتیں

حضرت عبداللہ بن عمروؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ وَ سَکِرَ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلاةُ أَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا، وَ اِنْ مَاتَ دَخَلَ النَّارَ، فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِ، وَاِنْ عَادَ فَشَرِبَ فَسَکِرَ لَمْ یُقْبَلْ لَهُ صَلاةُ أَرْبَعِیْنَ صَبَاحاً، فَإِنْ مَاتَ دَخَلَ النَّارَ، فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِ، وَإِنْ عَادَ فَشَرِبَ فَسَکِرَ لَمْ یُقْبَلْ لَهُ صَلاةُ أَرْبَعِیْنَ صَبَاحاً، فَإِنْ مَاتَ دَخَلَ النَّارَ، فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ إِنْ عَادَ کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ أَنْ یَسْقِیَهُ مِنْ

جس نے شراب پی اور نشہ آیا، اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں، اگر اسی حال میں مرجائے تو جہنم میں جائے گا اور اگر توبہ کرلے تو اللہ معاف کردے گا، اگر دوبارہ پیئے اور نشہ آجائے تو پھر چالیس دنوں کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی اور توبہ کے بغیر موت آئی تو جہنم میں جائے گا، ہاں اگر توبہ کرے گا تو اللہ توبہ قبول فرمالے گا، پھر اگر سہ بارہ پیئے اور نشہ آجائے تو اللہ چالیس دنوں کی نمازیں قبول نہیں فرمائے گا، اگر اسی حال میں مرے گا تو جہنمی ہوگا، اور اگر توبہ کرے گا تو اللہ رحم فرمائے گا، اور اگر پھر یہ

رَدْغَةِ الْخَبَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ هِيَ عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ. (ابن ماجه رقم: ۳۳۷۷)

حرکت کی تو اللہ لازمی طور پر اس کو دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والا لہو اور پیپ پلا کر رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

اَلْخَمْرُ اُمُّ الْخَبَائِثِ، فَمَنْ شَرِبَهَا لَمْ تُقْبَلْ صَلاتُهُ اَرْبَعِيْنَ يَوْماً، فَإِنْ مَاتَ وَهِيَ فِيْ بَطْنِهِ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً. (کنز العمال ۱۳۸/۵)

شراب تمام گناہوں کی جڑ ہے، جو اسے پیتا ہے اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں، اگر وہ اس حال میں مرجاتا ہے کہ شراب اس کے پیٹ میں ہے، تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

دیگر آسمانی کتابوں کی وضاحت

قرآن کے علاوہ دیگر آسمانی کتابوں میں بھی شراب کی ممانعت کا ذکر واضح الفاظ میں ملتا ہے، بائبل میں کئی فقروں میں یہ ہدایت موجود ہے، عہد نامۂ عتیق کی کتاب امثال میں ذکر ہوا ہے کہ: ''شراب ایک فریبی مشروب ہے، بلانوشی غضبناک ہے، جو بھی اس کے فریب میں آتا ہے، یہ اسے دیوانہ کر دیتی ہے''۔

عہد نامۂ جدید میں تاکید کی گئی ہے: ''اور شراب میں دھت مت رہو''۔ (اسلام پر چالیس اعتراضات کے عقلی ونقلی جواب: ڈاکٹر ذاکر نائک: ۹۹)

اگرچہ قرآن سے ماقبل کی شریعتوں میں بہت کچھ تحریف ہوئی ہے، شراب کی حرمت کو بھی اکثر مقامات سے مٹا دیا گیا ہے، مگر توریت میں شراب کی حرمت کو بیان کرنے والی ایک آیت ملتی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اگر کسی آدمی کا ضدی اور گردن کش بیٹا ہو جو اپنے باپ یا ماں کی بات نہ مانتا ہو، اور ان کے تنبیہ کرنے پر بھی ان کی نہ سنتا ہو، تو اس کے ماں باپ اسے پکڑ کر اور نکال کر اس شہر کے بزرگوں کے پاس اس جگہ کے پھاٹک پر لے جائیں، اور وہ اس کے شہر کے بزرگوں سے عرض کریں کہ یہ ہمارا بیٹا ضدی اور گردن کش ہے، یہ ہماری بات نہیں مانتا اور مال اُڑاوا اور شرابی ہے، تب اس کے شہر کے سب لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مرجائے، یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دور کرنا، تب سب اسرائیلی سن کر ڈر جائیں گے''۔ (استثناء: ۱۸/۲۱)

اس حکم سے واضح ہوتا ہے کہ لڑکا بدچلن و بدمزاج ہو، جو شراب و جوا کا عادی ہو ایسے لڑکے کو شہر کے ذمہ دار حضرات سنگسار کریں کہ وہ مرجائے، اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب حرام تھی اور اس کے ارتکاب کرنے والے کو سنگسار کی سزا تھی۔ (دیکھئے: قرآن مجید اور بائبل: طفیل انعامی: ۳۹۸)

رزق کی قدردانی کریں!

مولانا مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی وادی مصطفیٰ شاہین نگر، حیدرآباد

کھانے پینے کی اشیاء کے تعلق سے اس فراوانی اور بہتات کے دور میں اس کی ناقدری اور بے حرمتی ایک عام سی بات ہوگئی، بچے ہوئے کھانے کو محفوظ رکھ کر اس کے استعمال کو معیوب گردانا جاتا ہے؛ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مغرب کی اندھی تقلید نے جہاں اقدار کے بہت سارے پیمانے بدل دیئے ہیں، اسی طرح کھانے کے بچانے اور پلیٹ میں رکھ چھوڑنے کو ایک مہذب عمل سمجھا جاتا ہے اور پلیٹ کی مکمل صفائی اور پلیٹ کے بقیہ ریزوں کے استعمال اور اس کے کھالینے کو حقیر تر باور کیا جاتا ہے اور خصوصاً شادی بیاہ کے موقع سے اسراف وفضول خرچی کے وہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں اور رزق کی بے حرمتی کے وہ مناظر نگاہوں سے گذرتے ہیں کہ الامان والحفیظ، اسراف وفضول خرچی کا ایک طومار ہوتا ہے، مختلف کھانوں کی ڈشش نے تقاریب کے موقع سے رزق کی ناقدری کو بڑھاوا دیا ہے، مختلف نوع بنوع کے کھانوں کے کھانے اور ہر ایک سے کچھ چکھ لینے کی نیت نہ جانے کتنے کس قدر رزق کی بے حرمتی اور اس کی ناقدری کی وجہ بنتی ہے، اگر ہم یہ ارادہ کرلیں کہ ہم رزق کی قدر کریں گے تو کتنے غریبوں کی بھوک کا علاج اور ان کے فاقوں کا مداوا ہوسکتا ہے، اور کتنے نانِ شبینہ کے محتاج اور سسکتے بلکتے اور فاقہ زدہ گھرانوں کی خوشیاں عود کر آسکتی ہے، انانیت، شہرت اور جاہ کی طلب نے بالکل اندھا کردیا ہے، سوائے اپنے انا کی تسکین کے ہمیں کچھ دکھائی نہیں دیتا، لوگوں میں اپنی شان جتانے اور صرف ناک بلند کرنے کے خاطر ہمیں رزق کی ناقدری اور بے حرمتی منظور ہے اور اللہ کے غضب کو دعوت دینا منظور ہے، لیکن اپنی شان نہ جائے، شخصیت پر آنچ نہ آئے۔

میری نگاہوں سے رزق کی قدردانی کے تعلق سے دو واقعات گذرے انہیں کی روشنی میں اس گناہِ عظیم اور ہمارے معاشرے کے اس عظیم روگ کے تعلق سے نشاندہی کرنا چاہتا ہوں، خدارا ان واقعات کو عبرت کی نگاہ سے پڑھئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب نے اپنی کتاب ذکر وفکر میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے:

ایک مرتبہ میرے والد ماجد حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ (جو میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے) کے گھر ملاقات کے لئے گئے، کھانے کا وقت آ گیا تو بیٹھک میں دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا گیا، کھانے سے فارغ ہونے پر والد صاحب دسترخوان سمیٹنے لگے؛ تاکہ اسے کہیں جھٹک آئیں، حضرت میاں صاحب نے پوچھا: ''یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ والد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دسترخوان سمیٹ رہا ہوں، تاکہ اسے کسی مناسب جگہ پر جھٹک دوں، میاں صاحب بولے، کیا آپ کو دسترخوان سمیٹنا آتا ہے؟ والد صاحب خاموش رہے، میاں صاحب نے جواب دیا: جی ہاں، یہ بھی ایک فن ہے اور اسی لئے میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ کام آتا ہے یا نہیں، والد صاحب نے درخواست کہ حضرت! پھر تو یہ فن ہمیں بھی سکھا دیجئے، میاں صاحب نے فرمایا کہ آیئے! میں آپ کو یہ فن سکھاؤں۔ یہ کہہ کر انہوں نے دسترخوان پر بچی ہوئی بوٹیاں الگ کیں، ہڈیوں کو الگ جمع کیا، روٹی کے جو بڑے ٹکڑے بچ گئے تھے، انہیں چن چن کر الگ اکٹھا کر لیا، پھر فرمایا کہ میں نے اُن میں سے ہر چیز کی الگ جگہ مقرر کی ہوئی ہے، یہ بوٹیاں میں فلاں جگہ اٹھا کر رکھتا ہوں، وہاں روزانہ بلی آتی ہے اور یہ بوٹیاں کھا لیتی ہے، ان ہڈیوں کی الگ جگہ مقرر ہے، کتے کو وہ جگہ معلوم ہے اور وہ وہاں سے آ کر یہ ہڈیاں اٹھا لیتا ہے، اور روٹی کے یہ ٹکڑے میں فلاں جگہ رکھتا ہوں، وہاں پرندے آتے ہیں اور یہ ٹکڑے ان کے کام آتے ہیں اور یہ جو روٹی کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں یہ میں چیونٹیوں کے کسی بل کے پاس رکھ دیتا ہوں اور یہ ان کی غذا بن جاتی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ: یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کا رزق ہیں، ان کا کوئی حصہ اپنے امکان کی حد تک ضائع نہیں ہونا چاہئے۔ (مولانا تقی عثمانی، ذکر و فکر: ۴۳)

دیکھئے سنت کے متوالے، اللہ کے لاڈلے، انسانیت نہیں بلکہ ہر ذی روح کے ساتھ کے ہمدرد لوگ جب کھاتے ہیں تو صرف پیشِ نگاہ ان کی ذات ہی نہیں ہوتی؛ بلکہ ان کی غذا اور کھانے میں مختلف جانوروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔

اس وقت پیسوں اور مال و دولت کی فراوانی میں جو ہم رزق کے ضیاع اور بے حرمتی کے نقوش پیش کر رہے ہیں، کبھی خدانخواستہ احوال زمانہ ہمیں کنگال اور بالکل غریب اور نہتا اور مفلس کر دیں تو ہمیں رزق کی قدر و اہمیت کا اندازہ ہو۔ بھوک و فاقہ کی تکلیف اور درد کی قیمت کا اندازہ لگے۔

ایک عربی ادیب محمد بن عبدالعزیز نے رزق کی حرمت اور پاسداری کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ:

ایک شخص نے اپنے پڑوسی کو عصر کی نماز کے بعد کوڑے دان کے پاس اس میں سے کچھ لے کر اپنے گھر جاتے دیکھا، تو اس کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید یہ شخص محتاج اور نادار ہے اور مجھے اس کا پتہ بھی نہیں، چنانچہ میں نے اس سے ملاقات اور اس کے احوال کی جانکاری اور کوڑے دان سے اسے کچھ اٹھاتے جو دیکھا تھا اس سے متعلق پوچھنے کا ارادہ کیا، جب میں اس سے ملاقات کی غرض سے اس کے پاس گیا تو وہ بہترین غنی اور مالداری کی حالت میں تھا، میں نے اس سے کوڑے دان سے کھانا اٹھانے کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں نے کوڑے دان میں کھانے کے قابل کھانے کو پڑا دیکھا تو اس کے پھینکے ہونے سے اچھا نہیں لگا، میں نے اس کو لینے اور اس کے بجائے اس غلیظ جگہ میں پڑے رہنے کے اس کے اکرام میں بہتری سمجھا۔

اس نے بتایا کہ ایک دفعہ میں فاقہ کی شدید حالت سے گذرا، تب سے میں نے یہ عہد کیا ہے کہ میں کھانے اور رزق کی بے حرمتی نہیں کروں گا، میرے ساتھ قصہ کچھ یوں درپیش ہوا کہ مکہ میں مجھے ایک سال بالکل فاقے گذارنے پڑے، نہ میرے پاس کوئی پیسہ تھا اور نہ مجھے کوئی کام مل پا رہا تھا، میں صبح کام کی تلاش میں نکلتا اور رات میں کچھ کام نہ ملتا تو گھر آ کر سو جاتا، میری بیوی اور بیٹی روزانہ اس انتظار میں ہوتیں کہ میں کچھ لے آؤں اور ان کی بھوک کا مداوا کروں، جب معاملہ حد سے گذرنے لگا اور تین دن فاقہ میں گذر گئے تو میں نے بھوک مٹانے کے خاطر اپنی حسین وجمیل اور اکلوتی بیٹی کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا، اس کو بنا سنوار کر بازار لے گیا، ایک دیہاتی کی نظر لڑکی پر پڑی، اس نے لڑکی کو دیکھا تو اسے پسند آ گئی، اس نے مجھ سے لڑکی کے تعلق سے بھاؤ تاؤ کیا، چاندی کے بارہ ریال پر راضی ہو گیا، جیسے ہی میں نے درہم اس کے ہاتھ سے لئے تو اس کو لے کر کھجور کے بازار کی جانب دوڑ پڑا، پیٹ بھرنے کے خاطر کھجور کی ایک زنبیل دو ریال کے عوض خریدی اور ایک قلی کو اس کے اٹھانے کے لئے خرید لیا، بھوک کی شدت کی وجہ سے مجھے اس کے اٹھانے کی طاقت نہ تھی، میں اس سے پہلے گھر پہنچ گیا، گھر پہنچنے پر پیچھے دیکھا تو قلی نظر نہیں آیا، میں اس کی تلاش میں نکل پڑا، پھر میں نے سوچا: میں بازار جا کر دوسری کھجور خرید لیتا ہوں میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ بقیہ ریال بھی گم ہو گئے تھے، مجھ پر بہت زیادہ مایوسی اور غم طاری ہو گیا، میں نے حرم شریف میں جانے کا عزم کیا، جب میں مطاف میں پہنچا تو وہ دیہاتی میری لڑکی کے ساتھ نظر آیا، میرے دل میں خیال آیا کہ جب یہ مکہ سے نکلے گا تو وہاں کسی گھاٹی میں گھات لگا کر اسکا قتل کر کے اس سے اپنی لڑکی کو آزاد کرلوں گا، میں طواف کر رہا تھا تو وہ مجھے نظریں چرا کر دیکھنے لگا اس کی آنکھیں میری آنکھوں سے مل گئیں بتاؤ یہ لڑکی کون ہے؟ میں

نے کہا: یہ میری باندی ہے، اس نے کہا: نہیں یہ تیری بیٹی ہے میں نے اس سے پوچھا ہے، اس لڑکی نے کہا یہ میرے والد ہیں، اس نے کہا: تم نے ایسا کیوں کیا، میں نے کہا: ہم تین دن سے فاقہ سے تھے، موت کے اندیشے اور ہم تینوں کی ہلاکت کے خوف سے میں نے ایسا کیا، پھر میں نے لڑکی کی قیمت اور اس کے گم ہوجانے کے تعلق سے اس کو بتلایا کہ مجھ کو اس رقم سے کوئی نفع نہیں ہوا، تو اس دیہاتی نے کہا: اپنی لڑکی لے لو اور آئندہ ایسا نہ کرنا، اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں تیس ریال تھے، اس میں سے تقسیم کر کے آدھے مجھے دیئے۔

میں بہت خوش ہوا، اس کے لئے اللہ سے دعا کی اور اس کے فضل واحسان پر اس کے گن گائے اور اپنی لڑکی کو لے کر کھجور خریدنے کے لئے بازار گیا تو مجھے وہ قلی نظر آیا، میں نے اس سے پوچھا: تم کہاں تھے؟ اس نے کہا: چچا جان آپ تو جلدی جلدی چل رہے تھے، مجھے تو راستہ ہی نظر نہ آیا، میں نے آپ کے تلاش کی بہت کوشش کی، تلاش بسیار کے بعد بازار واپس چلا آیا، میں نے کہا: وہ کھجور لے آؤ، جب ہم واپس ہو کر گھر میں داخل ہوئے اور برتن میں کھجور خالی کرنا چاہا تو وہیں مشک کے نیچے وہ درہم موجود تھے، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مجھے یہ علم ہوگیا کہ ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے، پھر اس وقت سے یہ عزم کیا کہ ہمیشہ اللہ عزوجل کی نعمتوں اور اس کے رزق کی قدردانی کروں گا، کبھی بھی رزق کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھوں گا اور نہ اسے پھینکوں گا اور نہ کبھی کھانے کو کوڑے دان میں یا گندی جگہ میں پڑا رہنے دوں گا۔ (القصۃ القصیرۃ ودورھافی نشر رسالۃ الاسلام، الدکتور محمد فضل اللہ شریف)

یہ واقعہ رزق کی قدردانی کے تعلق سے نہایت عبرت خیز ہے، رزق کی اہمیت کا اندازہ فاقہ اور بھوک کی شدت میں ہی لگایا جاسکتا ہے، اس لئے زرق کی بے حرمتی اور ناقدری سے بچیں، اس کے ذریعہ غریبوں، مسکینوں، اور بھوکوں کی بھوک مٹانے کا نظم کریں، شادی بیاہ، دعوتوں اور تقاریب کے موقع سے اور ہوٹلوں میں رزق کے ضیاع سے حفاظت کر کے ہزاروں بھوکے لوگوں کے پیٹ بھرے جاسکتے ہیں، اس لئے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ محض اپنی شان رکھنے کے لئے کھانے کے ضیاع اور اللہ کی نعمت کی ناقدری کرنے والے نہ بنیں، اللہ کی ناراضگی اور اس کی نعمت کی ناقدری کہیں اس کے غضب کے نزول کا سبب نہ بن جائے اور ہم سے بھی اس نعمت کی ناقدری کی وجہ سے وہ نعمت چھن نہ جائے اور ہمیں بھی برے اور بھیانک احوال سے گذرنا نہ پڑے۔

❍❖❍

(آخری قسط)

اَزواجِ مطہرات کے ساتھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک و برتاؤ

از قلم:- علامہ منقذ بن محمود السقار
ترجمہ: مولانا مفتی محمد یحییٰ قاسمی استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کھیل دکھانا

ایک مرتبہ نیزہ بازی میں ماہر چند حبشہ کے رہنے والے حضرات آئے اور مسجد میں اپنا کھیل دکھانے لگے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے برابر میں اپنے پیچھے کھڑا کیا اور مجھے بھی نیزہ بازی کا کھیل دکھایا، اور قربان جائیے کہ جب میں نے وہاں سے پلٹنے کا اِرادہ کیا تب جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے لوٹے، اس سے پہلے نہیں لوٹے۔ (بخاری شریف ۱/۶۵)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کرنا

بہت سے لوگ اپنے ذاتی معاملات میں اسی طرح گھریلو معاملات میں اپنی بیوی سے رائے ومشورہ نہیں لیتے، وہ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ فیصلے لینا ان کا شخصی وانفرادی حق ہے، اس بابت انہیں اپنی بیوی سے رائے مشورہ یا تبادلۂ خیال نہیں کرنا چاہئے، حالاں کہ ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی تائید وتوثیق میں وحی کا نزول ہوتا تھا، وہ ذات وہستی بھی نہ یہ کہ صرف اپنے ذاتی یا خاندانی اُمور میں بلکہ امت مسلمہ کی بابت اپنی ازواجِ مطہرات سے رائے ومشورہ لیا کرتی تھی، چناں چہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ لیا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے معاہدے پر دستخط کر لئے، جس میں یہ شرط طے پائی تھی کہ اِمسال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضراتِ صحابہ کے ہمراہ بلاعمرہ ادا کئے واپس چلے جائیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: "قُوْمُوْا، فَانْحَرُوْا، ثُمَّ احْلِقُوْا" ۔ (جانور قربان کر کے حلق کرالو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ کے سامنے یہ اعلان تین بار دہرایا؛ لیکن حضراتِ صحابہ عمرہ نہ کرپانے کے شدید تأثرات سے اتنا دوچار تھے کہ ایک بھی حکم کی تعمیل وتکمیل کے لئے کھڑا نہ ہوا، جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

صورتِ حال دیکھی تو سیدھے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، اوران سے پوری صورتِ حال بتلائی، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیا: "اُخْرُجْ ثُمَّ لا تَكَلَّمْ أَحَدًا حَتّٰى تَنْحَرَ بُدْنَكَ وَتَدْعُوَ حَالِقَكَ فَيَحْلِقَكَ" ۔(آپ خاموشی سے جایئے اپنا جانور ذبح کردیجئے، اوراپنے سرتراش کو بلوا کر حلق کرالیجئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر عمل کیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ حضراتِ صحابہ نحر اور حلق کرانے کے لئے اس کے بعد ٹوٹ پڑے۔(بخاری شریف/کتاب الشروط ۱/۳۸۰)

غور کیجئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ یہ کہ صرف زوجۂ مطہرہ سے مشورہ طلب کیا؛ بلکہ اُن کا مشورہ بھی مانا، جس کا نقد نفع بھی پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی سے مشورہ طلبی کو نہ اپنی ذات کے لئے عار و داغ اور نہ ہی اپنی عقل ورائے اور وقار کے لئے باعث نقص وعیب جانا۔

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی بار ہا تاکید وتلقین

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ برتنے کی اور مرد وعورت کے مزاج میں پائے جانے والے فطری فرق واختلاف کی حتی الامکان رعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ مرد وعورت کے مزاج میں فطری فرق یہ ہوتا ہے کہ عورت زیادہ تر جذباتی ہوتی ہے، اس کے اِقدام وفیصلے میں زیادہ تر جذبات کی کارفرمائی ہوتی ہے، جب کہ مرد کے مزاج میں معقولیت ہوتی ہے، اور وہ عقل وفکر کے دائرے اور حدود میں رہ کر کوئی کام یا اقدام کرتا ہے، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی بابت حدیث میں ہے:

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلْعِ أَعْلاهُ؛ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا. (صحيح البخاري / كتاب الأنبياء ٤٦٩/١، سنن الترمذي ٢٢٦/١)

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو؛ کیوں کہ ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھی چیز اس کا اوپری حصہ ہے، اگر اس کو سیدھا کرنے چلوگے تو توڑ بیٹھوگے، اور اگر یونہی چھوڑ دوگے تو وہ پسلی ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہے گی، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (اس لئے اس کام کے پیچھے مت پڑو) بلکہ عورتوں کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کا معاملہ کرتے رہو

اس حدیث شریف میں بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی مکرر تاکید کی گئی ہے، جو حسن سلوک کی تمام صورتوں وشکلوں کو جامع ہے، اور اس حسن سلوک کو اس وقت بھی اپنانا اور برتنا ہے جب کہ فطری کجی کی وجہ سے بیوی کی جانب

سے کوئی نازیبا و ناخوش گوار چیز دیکھنے یا سننے کو ملے، بایں طور کہ آدمی تسامح، چشم پوشی اور صرفِ نظر سے کام لے؛ کیوں کہ عورت زندگی گزارنے کے لئے اور معاش کے حصول کے لئے انسان کے لئے ایک متاعِ ناگزیر ہے؛ لیکن اس متاعِ بے بہا سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کے لئے بڑی حکمت و دور اندیشی اور صبر و ضبط کی ضرورت ہے۔

حجۃ الوداع کا خطبہ اور بیویوں کے حقوق کی یاد دہانی

حجۃ الوداع کا موقع ہے، حضراتِ صحابہ کا جم غفیر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہیں، اور اُمت کو بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرماتے ہیں، اور اُن کے حقوق و واجبات یاد دلاتے ہیں۔ چناں چہ حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

أَلاَ! وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا؛ فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عَلَيْكُمْ أَيْ مِثْلَ الْأَسِيْرَاتِ عَلَيْكُمْ، أَلاَ إِنَّ لَكُمْ عَلىٰ نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلىٰ نِسَائِكُمْ فَلاَ يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُوْنَ، وَلاَ يَأْذَنَّ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُوْنَ، أَلاَ وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ. (سنن الترمذي ۱/ ۲۲۰)

گوش گذار رہے کہ تم عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو؛ کیوں کہ وہ تمہارے ہاتھوں کے نیچے رہتی ہیں گوش گذار رہے کہ عورتوں کا تم پر اور تمہارا عورتوں پر حق ہے، تمہارا عورتوں پر حق یہ ہے کہ گھر کے اندر یا بستر تک ایسے لوگوں کو آنے کا موقع نہ دیں جو تمہاری نظر میں نامنظور، مکروہ اور ناپسند ہوں، اور اُن کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم ان کے کھانے اور کپڑے کا بہتر طریقے سے خیال رکھو۔

شرکتِ غیر بھی نہیں چاہتی ہے غیرت میری

شاید یہ موضوع تشنہ اور اَدھورا رہے اگر اس موقع سے شوہر کے تئیں بیوی کی غیرت کا تذکرہ نہ کیا جائے، ویسے تو غیرت شوہر و بیوی دونوں کی مشترکہ صفت و حالت ہے؛ لیکن عورت کی غیرت ہی کچھ اور ہوتی ہے، کبھی فرطِ غیرت میں اس سے ایسی چیزیں صادر و سرزد ہو جاتی ہیں جو بظاہر نامناسب؛ بلکہ غلط معلوم ہوتی ہیں، جیسا کہ آئندہ صفحات میں آنے والے قصوں سے واضح ہو جائے گا، لیکن یہ پہلو بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہئے کہ بیوی کی فرطِ غیرت بھی شوہر سے بے پناہ محبت ہی کا نتیجہ اور عکاس ہوتی ہے،

اس لئے شوہر کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ بیوی کی غیرت کا بھی خیال رکھے اور عدل وانصاف کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ویسے تو بیوی کی غیرت کے مظاہر ونمونے موقع بموقع ظاہر ہوتے ہی رہتے ہیں؛ لیکن اس کی یہ غیرت اس وقت چرم اور عروج پر ہوتی ہے، جب کہ اس کی کوئی سوتن ہو اور عورت اس وسوسے کی شکار ہو کہ اس کے شوہر کا میلان اس کی طرف کم اور اس کی سوتن کی طرف زیادہ ہے۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیرت کا قصہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب لمبے سفر پر تشریف لے جاتے، تو بعض اَزواجِ مطہرات کو بھی ہمراہ لے جاتے اور کیف ما اتفق کسی کا انتخاب نہ فرماتے؛ بلکہ قرعہ اندازی کرتے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اسی طرح کے موقع سے قرعہ اندازی کی اور قرعہ میں حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے نام نکلے، اور ان کا سفر میں جانا طے ہوا، دورانِ سفر رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے ہودج میں آجاتے اور اُن سے باتیں کرتے، بھلا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ کب گوارا تھا؟ اس لئے انہوں نے ایک گیم پلان بنایا، اور اگلی ملاقات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ: آج ہم ایک دوسرے کے اونٹ پر سوار ہو کر ایک دوسرے کی سواری کا تجربہ کرتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بات مان گئیں، چناں چہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر اور حضرت حفصہ اُن کے اونٹ پر سوار ہو گئیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات تشریف لائے اور حسبِ معمول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے ہودج میں سوار ہو گئے، جس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں، اور قافلہ چل پڑا، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا موقع نہ مل سکا، اَب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اتنی غیرت آئی کہ جب قافلہ رکا تو وہ اپنے پاؤں کو پٹخنے لگیں اور فرطِ غیرت میں کہنے لگیں: ”يَا رَبِّ سَلِّطْ عَلَيَّ عَقْرَبًا أَوْ حَيَّةً تَلْدَغُنِي وَلاَ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقُولَ لَهُ شَيْئًا“۔ (اے اللہ! آپ مجھ پر کسی سانپ یا بچھو کو کاٹنے اور ڈسنے کے لئے مسلط کر دیجئے اور میں ان کو تو (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اِشارہ تھا) کچھ نہیں کہہ سکتی) (متفق علیہ)

فرطِ غیرت میں کھانے کا پیالہ توڑ ڈالا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ اُن کے گھر میں تشریف فرما

تھے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے خادم کے ہمراہ پیالہ میں کوئی کھانا بھیج دیا، گھر والی بیوی کو اتنی غیرت آئی کہ اُنہوں نے فرطِ غیرت میں اتنی زور سے خادم کے ہاتھ مارا کہ پیالہ بھی ٹوٹا اور کھانا بھی اِدھر اُدھر بکھر گیا۔ ہماری اور آپ کی بیوی نے اگر ایسا کیا ہوتا تو پتہ نہیں کہ ہم اپنی بیوی کو کیا کیا کہتے؛ لیکن قربان جایئے کہ ٹوٹے پیالہ کے ٹکڑے اور بکھرے کھانے کے اجزاء کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکجا جمع کیا اور بس اتنی سی بات کہی: "غَارَتْ أُمُّكُمْ" ۔(اے خادم! تمہاری ماں کو غیرت آ گئی) لیکن غیرت کا مطلب تو یہ نہیں کہ ناحق کسی کی کوئی چیز توڑ دی جائے، اس لئے بدلے میں اس بیوی کے گھر سے جنہوں نے پیالہ توڑا تھا، دوسرا پیالہ آپ نے خادم کے ہمراہ اس بیوی کے گھر بھیجا جن کا پیالہ توڑا گیا تھا۔ (بخاری شریف/کتاب النکاح ۷۸۶/۲)

بیوی سے محبت کا یہ مطلب نہیں کہ غلطیوں پر روکا ٹوکا نہ جائے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام بیویوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ عزیز اور پیاری تھیں؛ لیکن انہوں نے ایک مرتبہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اِشاروں اِشاروں میں پستہ قد کہہ دیا، آپ اتنے خفا ہو گئے کہ ازراہِ عتاب فرمایا: "لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ" ۔ (اے عائشہ! تم نے ایسی سخت اور کڑوی بات کہہ دی کہ اگر اس کڑوی بات کو سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو اس کی کڑواہٹ سے سارے سمندر کا پانی کڑوا ہو جائے) (ابوداؤد شریف/کتاب الادب ۶۶۸/۲)

حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا واقعہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ مطہرہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس اُن کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حزیرہ یا حریرہ - ایک قسم کا کھانا - لے کر حضرت سودہ کے گھر آ گئیں، ظاہر ہے کہ وہ کھانا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اصلاً لائی تھیں؛ لیکن انہوں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے بھی تناول کرنے کی فرمائش کی؛ لیکن انہوں نے فرطِ غیرت میں کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے پسند نہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کھاؤ ورنہ گال پر لگا دوں گی، پھر بھی حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کھانے کے لئے تیار نہ ہوئیں، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے واقعۃً تھوڑا سا حریرہ یا حزیرہ اُنگلی میں لے کر اُن کے گال میں لگا دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں کے بیچ بیٹھے تھے، آپ تھوڑا سا اپنے گھٹنوں کے بل جھک گئے؛ تاکہ حضرت سودہ بنت زمعہ مجھ سے بدلہ لے سکیں، چناں چہ اُنہوں نے بھی پیالہ سے کچھ کھانا اُنگلی میں لگا کر میرے

گال پر مل دیا، یہ سب کچھ دیکھ کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔ (سنن النسائی حدیث:۸۹۰۴)

اِس طرح آپ کے بدلہ دلانے اور مسکرانے نے صورتِ حال کو ایک خوش گوار موڑ دیا، ورنہ کیا تعجب تھا کہ فرطِ غیرت سے دونوں سوتنوں کے درمیان تلخی اور ترشی پیدا ہو جاتی۔

حضرت عائشہؓ کا رات میں پیچھے پیچھے جنت البقیع تک چلے جانا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میری باری کی رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اپنے جوتوں کو پائتیں رکھا، اور اپنے تہبند اور ازار کے ایک حصہ کو بچھا کر بس اتنی دیر لیٹے کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ میں سو چکی ہوں، پھر آپ آہستہ سے اُٹھے، آہستہ سے چادر اُٹھائی، آہستہ سے جوتا پہنا، اور نرمی اور آہستہ سے نکل پڑے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میری باری میں مجھے چھوڑ کر چلے جانا مجھ سے سہا نہ گیا، مجھے غیرت آئی اور مجھے خیال آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری باری میں کسی اور زوجہ مطہرہ کے پاس چلے گئے، اس لئے میں نے قدرے اپنا بھیس بدلا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل پڑی، آپ سیدھے جنت البقیع تشریف لے گئے، آپ نے وہاں تین بار ہاتھ اُٹھا کر بڑی لمبی لمبی دعائیں مانگی، پھر جب جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو میں تیزی سے حجرہ کی جانب مڑی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بستر پر پہنچ کر لیٹ گئی اور سونے والے کی صورت بنالی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ جان اور سمجھ چکے تھے، آپ نے پہنچتے ہی ارشاد فرمایا: ”أَظَنَنْتِ أَنْ يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهُ“؟ (کیا تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اللہ کے رسول تم پر ظلم کریں گے؟) (مسلم شریف ۱/۳۱۳)

بیوی کی راحت وآرام کا اِس قدر خیال

بعض لوگ بیوی کو گھر کی خادمہ اور نوکرانی سمجھتے ہیں، اپنی راحت وآرام کے آگے اُنہیں بیوی کے راحت وآرام کا ذرہ خیال نہیں رہتا، قربان جایئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نیند اور آرام کا کس قدر خیال رکھا۔ ”اِنْتَعَلَ رُوَيْدًا“ (جوتا پہنا تو آہستہ سے) أَخَذَ رِدَاءَهُ رُوَيْدًا“ (چادر لی تو آہستہ سے) ”فَتَحَ الْبَابَ رُوَيْدًا“ (دروازہ کھولا تو آہستہ سے) ”وَخَرَجَ رُوَيْدًا“ (گھر سے باہر قدم رکھا تو آہستہ سے۔ (مسلم شریف ۱/۳۱۳)

آپ ﷺ نے یہ سب کچھ اِس لئے کیا؛ تاکہ زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نیند نہ ٹوٹے اور اُن کے آرام میں خلل نہ آئے۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضی، آمین یا رب العالمین۔ ❍❖❍

اَولیاتِ صحابہؓ

سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

حبشہ کے سب سے پہلے مہاجر صحابیؓ

مولانا مفتی ابوجندل قاسمی استاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفرنگر یوپی

خلافت

۲۳ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیزہ لگنے کے بعد مرض الوفات میں عہدۂ خلافت کے لیے چھ حضرات (عثمان غنی، علی مرتضیٰ، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین) کا نام پیش کیا کہ تین دن کے اندر ان میں سے کسی کو منتخب کرلیا جائے، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (کو کیوں کہ والدِ محترم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کا غم رہے گا اس لیے ان) کی تسلی کے لیے فرمایا کہ وہ صرف مشورے میں شریک رہیں گے، اور تین دن تک حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین سے فراغت کے بعد خلافت کا مسئلہ پیش ہوا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ افراد میں دائر ہے، اس کو تین افراد میں منحصر کردیا جائے، اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہے اس کا نام پیش کرے، چناں چہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہوں، اس لیے اب خلافت دو آدمیوں میں منحصر ہوگئی، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ آپ دونوں حضرات اس کا فیصلہ مجھے سونپ دیں، دونوں حضرات رضامند ہوگئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دونوں سے علاحدہ علاحدہ گفتگو کی کہ اگر آپ کو خلافت سونپ دی جائے تو عدل وانصاف کریں گے، اور اگر فلاں کو سونپ دی جائے تو اطاعت کریں گے، دونوں نے عہد کیا، اس کے بعد حضرت

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، پھر تمام حاضرین نے بیعت کی، چناں چہ ایک قول کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین دن کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ بروز سنیچر اور بقولِ بعض ۳، یا ۴ محرم الحرام ۲۴ھ بروز پیر آپ نے خلافت سنبھالی، اور بقول واقدیؒ ۲۹، یا ۳۰ ذی الحجہ ۲۳ھ بروز پیر بیعت ہوئی، اور یکم محرم الحرام ۲۴ھ بروز منگل امورِ خلافت کی جانب متوجہ ہوئے، واللہ اعلم۔ (اسد الغابہ ۳/۵۸۴، ۵۸۵۔ البدایہ والنہایہ ۱۰/۲۱۴۔ تاریخ طبری ۴/۱۹۳، ۱۹۴، ۲۴۲۔ طبقات ابن سعد ۳/۶۰، طبقات البدریین من المہاجرین۔ الاستیعاب ۲/۱۵، باب عثمان)

عہدِ خلافت کے بعض کارنامے

فتوحات:- حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کی فتوحات کو دو حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے، (۱) اول تو وہ ممالک جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہو چکے تھے، لیکن آپؓ کی وفات کے بعد باغی ہو گئے، مثلاً:

ہمدان کے لوگ باغی ہوئے، تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر دوبارہ یہ علاقہ فتح ہوا۔

رَی کے باشندوں نے بھی بغاوت کی، تو حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کے ذریعے اس پر از سرِ نو اسلام کا قبضہ ہوا۔

اسکندریہ میں بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے، تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی کوشش سے پھر یہ مقام فتح ہوا۔

آذربائیجان اور آرمینیہ کے لوگوں نے غدر کیا، تو حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی جدوجہد سے پھر اس پر مسلمانوں کا تسلط ہوا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ان بغاوتوں کو فرو کرنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتدین سے قتال کرنے کے مانند تھا، اگر بروقت آپ ان علاقوں کو مغلوب نہ کرتے تو خدا جانے نتیجہ کیا ہوتا، اور کفر کی یہ طاقتیں کس شان سے ابھرتیں، یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دوراندیشی اور جرأت و بہادری تھی کہ آپ نے ان علاقوں کی جانب فوری توجہ فرما کر ان کی بغاوتوں کو نیست و نابود کیا اور ان ملکوں پر پھر سے اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ (تاریخ طبری ۴/۲۴۶، ۲۵۰۔ سیرت خلفائے راشدین ص ۱۵۹)

(۲) دوسری قسم کی فتوحات وہ ہیں جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہی ہوئیں،

اور آپ کی خلافت کے زمانے میں ہی وہ ممالک و مقامات اسلام کے قبضے میں آئے، اور وہاں اسلامی جھنڈا بلند ہوا، مثلاً:

افریقہ، جس کا حاکم قیصرِ روم کی طرف سے ''جُرجیر'' نامی شخص تھا، جو نہایت مغرور و متکبر بادشاہ تھا، طرابلس سے طنجہ تک اس کی حکومت تھی، اس نے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک لاکھ بیس ہزار فوج فراہم کی، بعض نے دو لاکھ کہا ہے، ادھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج مرتب کر کے روانہ فرمائی، اور پھر وہ عظیم جنگ ہوئی جو اسلامی تاریخ میں ''حرب العبادلہ'' کے نام مشہور ہے، اور جنگ یرموک و قادسیہ کے بعد اس لڑائی کا نمبر رکھا گیا، چالیس روز تک یہ لڑائی جاری رہی، اس جنگ میں بے شمار دشمن مقتول ہوئے، اور اس قدر مالِ غنیمت حاصل ہوا کہ خُمس جدا کرنے کے بعد فی سوار تین ہزار اشرفیاں اور فی پیادہ ایک ہزار اشرفیاں تقسیم ہوئیں، اس جنگ کو ''حرب العبادلہ'' کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں فوج کے سردار حضرت عبداللہ بن سعد، میمنہ پر حضرت عبداللہ بن عمر، میسرہ پر حضرت عبداللہ بن زبیر، اور مقدمۂ لشکر پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، یہ واقعہ ۲۷ھ میں پیش آیا۔ (سیر اعلام النبلاء، سیر الخلفاء الراشدین ص ۱۷۱۔ البدایہ والنہایہ ۱۰/۲۲۵، ۲۲۶۔ فتوح البلدان للبلاذری ص ۳۱۷، ۳۱۸۔ معجم البلدان ۱/۲۲۹۔ سیرت خلفاء راشدین ص ۱۶۰، ۱۶۱)

فتح افریقہ کے بعد اسلامی فوجیں مغرب کی جانب بڑھیں اور وہاں بھی جنگ عظیم پیش آئی، جس کے نتیجے میں طرابلس و اندلس اور مغرب کے تمام شہروں پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا اور دین اسلام کا جاہ وجلال مغرب میں چمکنے لگا۔ اسی طرح ۲۸ھ میں اصطخر، ۳۰ھ میں طبرستان فتح ہوا۔ (معجم البلدان ۱/۲۲۹۔ سیرت خلفاء راشدین ص ۱۶۰، ۱۶۱)

بحری جنگ: بحری جنگوں سے اب تک مسلمان ناواقف تھے، آپ کے زمانۂ خلافت میں ہی سب سے پہلے بحری جنگ لڑی گئی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں سب سے پہلے بحری جنگ کا خیال پیدا ہوا، اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں بحر روم کے جزیرے ''قُبرُس'' پر فوج کشی کی اجازت طلب کی، لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بحری جنگ کو خوفناک خیال کر کے اجازت نہیں دی، پھر ۲۸ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی اور عرض کیا کہ

بحری جنگ اتنی خطرناک نہیں ہے جتنی سمجھی جاتی ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی، چناں چہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اسلامی فوجیں جہازوں میں سوار ہوکر سمندر میں روانہ ہوئیں، اہل قبرس نے جزیہ پر صلح کرلی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۶۸، ۲۶۹)

اس بحری جنگ کی پیشین گوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، چناں چہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز دوپہر کے وقت حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا (جو آپ کی رضاعی خالہ تھیں، یا آپ کے والد یا دادا کی خالہ تھیں، یعنی وہ آپ کی محرم تھیں، کرمانی شرح بخاری ۱۲/۹۷) کے گھر میں قیلولہ فرما رہے تھے، کہ اچانک آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ: اس وقت میں نے اپنی امت کے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ راہِ خدا میں جہاد کررہے ہیں اور وہ سمندر میں جہازوں پر سوار بڑی شان وشوکت کے ساتھ چلے جارہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا بادشاہ تختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں، نیز فرمایا کہ اس جماعت کے لیے جنت واجب ہے، ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! دعا فرمادیجئے کہ میں بھی اس جماعت میں شامل ہوجاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اس جماعت میں شامل ہونے کی دعا فرمائی، چناں چہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہی سب سے پہلے یہ بحری جنگ لڑی جس کا ذکر اوپر آیا، اور اس جنگ میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئیں، واپسی کے وقت گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے گرکر گردن ٹوٹ گئی اور شہید ہوگئیں، آپ کی قبر مبارک جزیرۂ قبرس ہی میں ہے۔ (بخاری شریف ۱/۳۹۱، ۴۰۹، ۴۱۰، حدیث ۲۷۸۸، ۲۹۲۴۔ تاریخ الخلفاء ص ۲۶۸)

اسی طرح ملک ایران کے بعض حصے مثلاً: خراسان، بیہق، فیروزآباد، شیراز، طوس، نیشاپور، ہرات اور بلخ وغیرہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہی فتح ہوئے۔ (سیرت خلفاء راشدین ص ۱۵۰)

جمع قرآن کریم:- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک عظیم کارنامہ قرآن کریم کو اختلاف وتحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی عام اشاعت ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں اسلام خطۂ عرب سے نکل کر روم وایران کے دور دراز علاقوں تک

پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقے کے لوگ جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو وہ ان مجاہدین اسلام یا تاجروں سے قرآن کریم سیکھتے جن کی بدولت انھیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی، اور چوں کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا تھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کریم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قرأتوں کے مطابق سیکھا تھا، اس لیے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قرأت کے مطابق قرآن پڑھایا جس طرح خود اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا، اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا، جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے اس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی، لیکن جب یہ اختلاف دور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات ان میں پوری طرح مشہور نہ ہوسکی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے، بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسری قراءت کو غلط قرار دینے لگے، جس کا واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ آرمینیہ اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، ہر آدمی اپنی قراءت کو صحیح بتلا رہا ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ اختلاف آئندہ چل کر توریت وانجیل میں یہود ونصاریٰ جیسے اختلاف کی صورت اختیار نہ کر جائے، اس لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جہاد سے واپس ہوتے ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتِ حال عرض کی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع فرما کر مشورہ کیا، اور فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں، تمام صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو پسند فرمایا، کیوں کہ ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے، دوسری طرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے اس نسخہ کے سوا جو عہد صدیقی میں تیار ہوا تھا کوئی دوسرا ایسا معیاری نسخہ بھی نہ تھا، جو پوری امت کے لیے حجت بن سکے، کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا اہتمام بھی نہیں تھا، اس لیے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم میں پھیلا دیئے جائیں، جن میں ساتوں حروف جمع ہوں، اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ

کیا جاسکے کہ کونسی قراءت صحیح ہے اور کونسی غلط ہے، حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، آپ نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مدد ومشورے سے از سر نو قرآن کریم کو قابل اعتماد طریقہ پر جمع کرایا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ نسخے کو سامنے رکھ کر اس میں ضروری اصلاحات کے ساتھ قرآن کریم کے اس نئے نسخے کی متعدد نقلیں کرائیں، اور ان کو پورے عالم میں پھیلا دیا، اور اسی نسخہ کو اپنانے کا حکم صادر فرمایا اور باقی سابقہ نسخے کالعدم قرار دیدیئے گئے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ کو پوری امت نے بنظر استحسان دیکھا، تمام صحابہ کرامؓ نے اس کام میں ان کی تائید وحمایت فرمائی، حضرت عثمان کا یہ کارنامہ قیامت تک آنے والے امت کے ہر ہر فرد پر ایک گراں بار احسان ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن ۱/۷۸، ۷۹۔ معارف القرآن ۱/۳۰-۳۱)

تعمیرات:- حکومت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا، تمام صوبہ جات میں مختلف دفاتر کے لیے عمارتیں تیار ہوئیں، رفاہِ عام کے لیے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں، مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے، پہلے کوفہ میں کوئی مہمان خانہ نہ تھا، اس سے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک نہایت عظیم الشان مہمان خانہ بنوادیا۔

ملکی انتظام اور رعایا کی آسائش دونوں لحاظ سے ضرورت تھی کہ دارالخلافہ کے تمام تر راستوں کو سہل اور آرام دہ بنایا دیا جائے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مدینہ کے راستے میں موقع موقع سے چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کرادیئے، چنانچہ نجد کی راہ میں مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلے پر ایک نہایت نفیس سرائے تعمیر کی گئی، اس کے ساتھ ساتھ ایک مختصر بازار بھی بسایا گیا، نیز شیریں پانی کا ایک کنواں بنایا گیا، جو ''بیر السائب'' کے نام سے مشہور ہے۔ (سیر صحابہ ۱/۲۲۷، ۲۲۸)

بندمہزور:- خیبر کی سمت سے کبھی کبھی مدینہ میں نہایت خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا، اس سے شہر کی آبادی کو سخت نقصان پہنچتا تھا، مسجد نبوی کو اس سے صدمہ پہنچنے کا احتمال تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر مدری کے قریب ایک بند بندھوایا اور نہر کھود کر سیلاب کا رخ دوسری طرف موڑ دیا، اس بند کا نام بندمہزور ہے، رفاہِ عام کی تعمیرات میں یہ خلیفہ ثالث کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ (المغانم المطابۃ ۱/۳۹۸)

مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع

مسجد نبوی کی تعمیر میں حضرت عثمان ذوالنورین کا ہاتھ سب سے زیادہ نمایاں ہے، عہد نبوی میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد کی وسعت ناکافی ثابت ہوئی تھی، تو اس کی توسیع کے لیے حضرت عثمانؓ نے قریب کا قطعۂ زمین خرید کر بارگاہِ نبوت میں پیش کیا تھا، پھر اپنے عہد میں بڑے اہتمام سے اس کی وسیع اور شاندار عمارت تعمیر کرائی، سب سے اول ۲۴ھ میں اس کا ارادہ کیا، لیکن مسجد کے گرد وپیش جن لوگوں کے مکانات تھے وہ کافی معاوضہ دینے پر بھی مسجد نبوی کی قربت کے شرف سے دست کش ہونے کے لیے راضی نہ ہوتے، حضرت عثمان نے ان لوگوں کو راضی کرنے کے لیے مختلف تدبیریں کیں، لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے، یہاں تک کہ پانچ سال اس میں گزر گئے، بالآخر ۲۹ھ میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے جمعہ کے روز ایک نہایت ہی مؤثر تقریر کی اور نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی طرف توجہ دلائی، اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات دے دیئے، اور آپ نے نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع کیا، نگرانی کے لیے تمام عمال طلب کئے، اور خود شب وروز مصروفِ کار رہتے تھے، غرض دس مہینوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد اینٹ چونا اور پتھر کی ایک نہایت خوش نما اور مستحکم عمارت تیار ہوگئی، وسعت میں بھی کافی اضافہ ہوگیا، یعنی طول ایک سو ساٹھ گز، اور عرض ایک سو پچاس گز اضافہ ہوا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۶۹۔ سیر صحابہ ۱/۲۲۸، ۲۲۹)

عمال کی مجلس شوریٰ

تمام مہذب حکومتوں میں عمال وحکام کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے، کیوں کہ ملکی وانتظامی معاملات میں حکام وقت دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر رائے قائم کر سکتے ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے اس ضرورت کو محسوس کر کے عمال کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی، اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری رائے طلب کی جاتی تھی، اور کبھی کبھی باقاعدہ اس کے اجلاس بھی ہوتے تھے۔ (سیر صحابہ ۱/۲۲۵)

❍❖❍

ذکرِ رفتگاں: (آخری قسط)

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستویؒ

نقوش وتأثرات

مولانا مفتی عمران اللہ صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

خدمات وسرگرمیاں

عمری کلاں میں :- رمضان کی چھٹیاں گذار کر علم دین کی خدمت کے ارادے سے شوال میں دارالعلوم دیوبند آ گئے، حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادی نے اپنے وطن عمری کلاں کے مدرسہ کلید علوم میں بحیثیت مدرس بھیج دیا، یہ مدرسہ گاؤں کی جامع مسجد میں تھا، اس مدرسہ میں پہلے بطور استاذ حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی رہ چکے تھے، جن کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی علیہ الرحمہ نے بھیجا تھا، یہاں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کے ذمہ تدریس کے ساتھ جامع مسجد کی امامت وخطابت بھی تھی، کبھی کبھی وعظ وخطابت کے لیے آس پاس کے دیہات میں جایا کرتے تھے، چونکہ مدرسہ کلید علوم میں فارسی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر قطبی، کنز الدقائق، شرح وقایہ وغیرہ زیر درس رہتی تھیں، درس کی تیاری اور مراجعت میں کتابوں کی ضرورت پڑتی تھی مدرسہ مذکور میں کتب خانہ نہ ہونے کی وجہ سے پریشانی ہوتی تھی، اس لیے حضرت والا مدرسہ شاہی مرادآباد کے کتب خانہ سے عاریۃ کتابیں لاتے تھے، طلبہ کے امتحان اور ان کی جانچ کے لیے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ اور مدرسہ شاہی مرادآباد کے اساتذہ کو دعوت دیتے تھے، تقریباً چار سال تک آپ نے اس مدرسہ کی خدمت انجام دی اور اس کے تعلیمی معیار کو آگے بڑھایا۔

درگاہی مسجد میسور میں :- شاید ۱۹۵۸ء میں حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے کرناٹک کے مشہور شہر میسور کی درگاہی مسجد میں بحیثیت امام وخطیب مقرر ہوئے (یہ مسجد میسور کے منڈی محلّہ جو مسلمانوں کی کثیر آبادی پر مشتمل ہے میں واقع ہے) اس زمانے میں پورے میسور شہر میں صرف دو عالم تھے ایک مولانا ایوب حسن فاروقی یہ غالباً حضرت شیخ الہند یا علامہ کشمیری کے شاگرد تھے اور میسور کے ٹریننگ کالج میں شعبہ اسلامیات کے صدر تھے، دوسرے حضرت مولانا سید احمد صاحب یہ باقیات الصالحات ویلور کے فاضل تھے، اور ٹریننگ کالج میں شعبہ اسلامیات کے استاذ تھے، وہاں حضرت مولانا نے

امامت وخطابت کے ساتھ تفسیر قرآن کا سلسلہ بھی شروع فرمایا،عوام میں دینی بیداری کی غرض سے بالغ اور عمر درازلوگوں کے لیے ایک شبینہ مدرسہ کا قیام کیا، ہدایۃ المسلمین نامی اس مدرسہ میں اسکول کے ٹیچر، بڑی عمر کے احباب اورنوجوان افراد شریک ہوتے تھے،حضرت کا وہاں تین سال قیام رہا،آپ کے قیام تک یہ شبینہ مدرسہ چلتا رہا،آپ وعظ وتقریر کے لیے اطراف کے دیگر علاقوں میں بھی آتے جاتے تھے،اس زمانے میں بنگلور اور اس کے اطراف میں جہالت اور بدعت کا ماحول تھا بہت سی مساجد میں تبلیغی جماعت پر بندش تھی،حضرت مولانا نے اس پہلو پر توجہ دیتے ہوئے محنت کی،جگہ جگہ وعظ وتقریر،اور تفسیر قرآن کا سلسلہ جاری کیا،آپ کی محنت اور اکابر کی توجہ کی بدولت کافی ماحول تبدیل ہوا، وہیں شہر میسور کی مسجد خاکی شاہ میں عرس ہوتا تھا، وہ بدعت وخرافات کا مرکز تھی،حضرت کی محنت کی بدولت آج وہ تبلیغی جماعت کا مرکز ہے، جہالت وناخواندگی مٹانے کے جذبہ کے تحت حضرت مولانا نے اپنی اہلیہ کے ذریعہ سے بھی گھر پر بچیوں کی تعلیم کا بھی بندوبست کیا۔

ہندو پور میں :- پھر آپ جب میسور کی درگا ہی مسجد سے سبک دوش ہوگئے،تو ۱۹۶۳ء میں مدرسہ شمس العلوم ہندو پور میں بحیثیت صدر مدرس تقرر عمل میں آیا، یہ ہندو پور میسور سے ایک سو پچاس میل دور کرناٹک کے باڈر پر صوبہ آندھرا پردیش میں واقع ہے، وہاں کے ذمہ داران نے ۱۹۵۷ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے ہاتھوں اس مدرسہ کا افتتاح کرایا تھا،حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نے تقریباً اٹھارہ سال اس مدرسہ میں خدمت کے فرائض انجام دیئے ، پہلے تدریس پھر صدارت اور بعد میں اہتمام کی ذمہ داری بھی نبھائی، فارسی کی ابتدائی کتابوں کے ساتھ نحو وصرف منطق اور فقہ کی ابتدائی کتابیں نیز شرح وقایہ، کنز الدقائق واُصول الشاشی وغیرہ کا درس دیتے تھے، ہندو پور میں تدریس اور دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ جامع مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دینے لگے،اور تفسیر قرآن کریم کا سلسلہ بھی شروع فرمایا جو تقریباً سات سال تک جاری رہا، ہندو پور قیام کے دوران تبلیغی اور اصلاحی بیانات کے لیے کرناٹک،تمل ناڈ اور کیرالہ کے مختلف علاقوں میں تشریف لے جاتے تھے، ۱۹۵۸ء سے ۱۹۸۱ء تک تقریباً ۲۲ رسال آپ دکن کے مختلف علاقوں میں مختلف پلیٹ فارموں سے دین کی خدمت انجام دیتے رہے،آپ کی محنت کا وہاں کے ماحول پر بہت اثر ہوا،اسی بنا پر وہاں کے عوام اور دین دار طبقہ کے افراد آپ سے بے پناہ محبت کرتے تھے،اور ایک بڑی تعداد آخر وقت تک آپ سے مربوط رہی۔

دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس:- غالباً ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں انتظام کی تبدیلی ہوئی اور کیمپ قائم کرکے اس میں تعلیم کا سلسلہ جاری کیا گیا،آپ اس دوران بنگلور سے دیوبند آئے

ہوئے تھے،کیمپ میں اساتذہ کی ضرورت تھی، انتظامیہ کی خواہش پر آپ نے اس وقت نورالایضاح، مرقات، نفحۃ الادب، شرح تہذیب، علم الصیغہ وغیرہ کتابیں پڑھائیں، چند دن کی تدریس کے بعد شمس العلوم ہندوپور کے ارباب انتظام سے دیوبند منتقل ہونے کی اجازت لے لی، اور دارالعلوم میں باضابطہ آپ کا درجہ ادنی میں تقرر ہوگیا، اور تادم آخر دارالعلوم دیوبند میں تقریباً ۳۴ رسال تدریسی خدمات انجام دیں، اس دوران مختلف علوم وفنون کی کتابیں متعلق رہیں، جن میں ترجمہ اول، نورالانوار، مبادی الفلسفہ، میبذی، سلم العلوم، جلالین شریف، شرح عقائد، سراجی، مشکوٰۃ شریف وغیرہ ہیں، زیادہ تر منطق وفلسفہ کی کتابیں سلم اور میبذی زیر درس رہیں، آپ فن منطق سے دلچسپی بھی رکھتے تھے، اس وجہ سے طلبہ میں ''امام المنطق والفلسفہ'' کے نام سے مشہور تھے، آپ کا سبق طلبہ کی دلچسپی کا ہوتا تھا، موقع موقع سے ظرافت کے جملے دورانِ درس اہم نکات، مشکل مسائل کا تشفی بخش حل بھی پیش فرماتے، درس کی پابندی اور طلبہ سے انس، دیگر اساتذہ سے خوش گواری کا ہمیشہ خیال رکھتے، اربابِ انتظام کی طرف سے متعدد بار مختلف کاموں کی ذمہ داریاں دی گئیں، جن کو بحسن خوبی نبھایا، نیز دارالعلوم میں طلبہ میں مناظرانہ مشق وتمرین کے لیے قائم انجمن ''تقویۃ الاسلام'' کے تاحیات سرپرست رہے، شروع سال میں طلبہ میں ذمہ داریاں تقسیم فرماتے، اس کے اجلاس کی سرپرستی، طلبہ کرام کی حاضری اور کارکردگی کا جائزہ لیتے رہتے، آپ کی سرپرستی وتوجہ کی بدولت شعبہ نے ہر پہلو سے ترقی کے منازل طے کئے۔

وعظ وخطابت:- وعظ وخطابت سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، تدریس کے ساتھ خطابت کا مشغلہ بھی جاری رکھا، جہاں بھی رہے ملازمت کی دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ عوام کو دین سے قریب کرنے کی فکر بھی رکھتے، چنانچہ جب آپ عمری کلاں میں تدریس کے فرائض پر مامور تھے، تو جامع مسجد میں خطابت کے ساتھ اطراف کے دیہات میں بھی وعظ وتقریر کے لیے جاتے رہتے، پھر جب آپ میسور شہر منتقل ہوگئے تو وعظ وخطابت کا دائرہ وسیع ہوگیا، درگاہی مسجد، مسجد خاکی شاہ، اور کچھ احباب کے مکانات پر تفسیری سلسلہ کے ساتھ متعدد مساجد میں وعظ فرماتے رہتے، چنانچہ کرناٹک آندھرا، تمل ناڈ، کیرالہ کے مختلف شہروں اور دیہات میں آپ وعظ وبیان کے لیے تشریف لے جاتے، ہندوپور قیام کے دوران ہی بنگلور کے محلّہ اسلام آباد بسون گڈھی کی جامع مسجد میں جمعہ میں خطابت اور جے نگر کی عیدگاہ والی مسجد میں نماز عید کی خطابت ایک عرصہ تک نہایت پابندی سے انجام دی، پھر جب دارالعلوم دیوبند منتقل ہوگئے تو تبلیغی اسفار کا دائرہ اور وسیع ہوگیا، اب دکن کے شہروں کے ساتھ مغربی یوپی کے علاقہ میں بھی اسفار ہونے لگے، متعدد مدارس کے اجلاس کے متعین خطیب تھے، آپ کی تقریر عوام بڑی دلچسپی سے سنتے، مخصوص لب ولہجہ، بھاری آواز

میں عام فہم زبان، نہ اشتعال، نہ برق رفتاری، نپے تلے جملے، مضمون کی تفہیم کا حق ادا کرنا یہی وہ خوبیاں ہیں جنھوں نے حضرت مولانا کو بستی بستی گھمایا، یہاں تک کہ سات سمندر پار کے لوگ بھی آپ سے مستفید ہوئے، چنانچہ ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری نے انگلینڈ میں دارالعلوم دیوبند اور اس کی خدمات سے متعارف کرانے کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا، آپ نے انگلینڈ میں چھ ماہ قیام فرما کر دارالعلوم کو متعارف کرایا، بعد میں بھی وعظ وخطابت کے لیے لندن اور برمنگھم میں آنا جانا رہا، چنانچہ سرزمین لندن، برمنگھم اور کوکن میں کیے گئے آپ کے بیانات کو تین الگ مجموعوں میں جمع کر دیا گیا ہے۔

تحریری خدمات:- تدریس وتقریر کے ساتھ آپ نے تحریری میدان میں بھی خدمات انجام دیں، میسور میں ایک ہفت روزہ ''تنظیم'' نامی اخبار نکلتا تھا، آپ نے اس کے مدیر کے اصرار پر دینی واصلاحی مضامین تحریر کیے، جو کافی عرصے تک اسی اخبار کی زینت بنتے رہے، اسی طرح بنگلور کے محلّہ اسلام آباد بسون گڑھی کی جامع مسجد کے امام صاحب ''نورونار'' کے نام سے ایک پرچہ نکالتے تھے اس میں مسائل کا گوشہ حضرت مولانا کے لیے مختص تھا، اس میں دینی مسائل تحریر کیا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے عوام کی اصلاح اور ان کے عقیدے کی درستگی کے لیے متعدد رسائل بھی تصنیف کیے۔

(۱) پندرہ نفلیں:- اس کتاب میں پندرہ نفل نمازوں کا بیان ہے جن میں تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، اشراق، اوابین، تہجد، نماز حاجت، نماز استخارہ، نماز شکر، نماز کسوف وخسوف، نماز سفر، نماز تسبیح، نماز توبہ، نماز قتل، نماز احرام، نماز استسقاء کا طریقہ اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

(۲) شب برأت:- پندرہ شعبان کی رات میں ہونے والی رسم ورواج اور عوام کی بے احتیاطی کو بیان کر کے اس کتاب میں شب برأت کی حقیقت اور اس میں عبادت کا طریقہ وفضائل کو بیان کیا ہے۔

(۳) شب معراج:- معراج کی رات کے تعلق سے اس کتاب میں گفتگو فرمائی گئی ہے۔

(۴) خطباتِ لندن:- سرزمین لندن میں کی گئی آپ کی دس تقریروں کا مجموعہ ہے، جس میں ایمان کی حقیقت، میزانِ عمل، حضرت نوح کی دینی دعوت، روزے کا مقام، شب قدر، شب برأت وغیرہ شامل ہیں۔

(۵) خطبات برمنگھم:- یہ سرزمین یوکے میں جامع مسجد برمنگھم میں کیے گئے آپ کے بیانات کا مجموعہ ہے، جس میں دس بیانات شامل ہیں، یہ سب کتابیں مطبوعہ ہیں، اخیر عمر میں آپ نے سوانح عمری کی ترتیب بھی شروع فرما رکھی تھی۔

بیعت وخلافت:- تعلیم کے بعد آپ نے اصلاح وسلوک کی طرف بھی توجہ فرمائی، چنانچہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، جب آپ بخاری شریف پڑھ رہے تھے تو حضرت

شیخ الاسلام کی عقیدت سے سرشار ہو چکے تھے، اس سال حضرت مدنی نے عشاء کے بعد بخاری شریف مکمل فرمائی، آپ اپنے چند ساتھیوں کی معیت میں حضرت مدنیؒ کے درِ دولت پر حاضر ہوئے اور بیعت کے درخواست کی، حضرت نے قبول فرما کر بیعت سے سرفراز فرمایا، حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد پھر کسی سے رجوع نہیں فرمایا، اس کے بعد ۲۰۰۶ء میں آپ نے بنگلہ دیش کا سفر کیا تو وہاں پر حضرت تھانوی کے خلیفہ حضرت مولانا الطاف حسین صاحب نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

عادات واخلاق:- حضرت مولانا بلند اخلاق وعادات کے حامل تھے، آپ کی گفتگو اور طرز عمل سے اخلاق کا اندازہ ہوتا تھا، رحم دلی وشفقت، حلم وبردباری نفع رسانی، عدم ضرر جیسے اوصاف آپ کی ذات میں اس قدر نمایاں تھے کہ آپ کا تذکرہ ہوتے ہی ان اوصاف کا تصور ہونے لگتا، دارالعلوم میں طلبہ وملازمین اور اسی طرح وہ اساتذہ جو آپ کے شاگرد کے درجہ میں ہوتے ان سے گفتگو اور ان کو مخاطب بنانے کا آپ کا شفقت ومحبت سے لبریز انداز آپ کی عظمت میں اضافہ کرتا، حضرت مولانا غریب اور نادار لوگوں اور طلبہ پر اپنے ہاتھ کشادہ رکھتے تھے، چنانچہ بعض رکشہ والے، فروٹ فروش، سبزی فروش، پان والے اور بال بنانے والے دکاندار کے ساتھ آپ کا معاملہ احسان ونوازش کا رہتا تھا، جس کا آپ کے متعدد متعلقین مشاہدہ کرتے، آپ کا ایک نمایاں وصف نفع رسانی تھا، آپ حتی الامکان دوسروں کو نفع پہنچانے کی سعی کرتے ممکن حد تک اس سے گریز نہ کرتے تھے، عملاً ضرر سے خود کو دور رکھتے تھے، دارالعلوم کے طلبہ واساتذہ وملازمین میں تقریباً سبھی اس بات کے معترف تھے، نیز آپ کی زندگی کا ایک نمایاں وصف سنجیدگی اور متانت ہے، آپ کے انداز واطوار، گفتگو، چال ڈھال ہر طرز سے سنجیدگی محسوس ہوتی، طلبہ کی تربیت ونگرانی پر توجہ فرماتے تحریر وتقریر میں رہنمائی فرماتے، یہ توجہ اور دلچسپی کی ہی بات تھی کہ آپ تاحیات انجمن'' تقویۃ الاسلام'' شعبہ مناظرہ، اور انجمن ضلع بستی کے سرپرست رہے، آپ کی شفقتوں اور محبت کے واقعات کو ہم لوگ آج بھی محسوس کرتے ہیں، آپ کی زندگی کے تمام گوشوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی تعلیم وتدریس، تصنیف وتقریر اور تحمل وبردباری، محبت وشفقت سے عبارت تھی، بے شمار انسانوں اور مدارس میں ہزاروں طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا، جو صدقۂ جاریہ ہے۔

اخیر عمر میں ضعف ونقاہت غالب آگئی، طبیعت خراب رہنے لگی، پھر بھی ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہے، رمضان المبارک میں یرقان کے مرض میں مبتلا ہوئے، میرٹھ، دلی، حیدرآباد، چندی گڑھ علاج کرایا گیا، بالآخر وقت موعود آپہنچا اور ۲۴ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۹ ستمبر ۲۰۱۵ء کو دنیا سے رخصت ہوگئے، اور اپنے بعد والوں کو یہ پیغام دے گئے کہ مقصد کے حصول میں محنت ولگن، معاشرتی زندگی میں شفقت وتحمل، اور عملی میدان میں مسلسل مصروفیت انسان کے دل میں عظمت ومحبت اور خالق کائنات کے یہاں مقبولیت پیدا کردیتی ہے۔ ❍❖❍

کتاب المسائل:

تعلیقِ طلاق کے مسائل

مفتی محمد سلمان منصور پوری

کہا: ''جب جب میں کوئی اچھی بات کہوں تو تجھے طلاق''

شوہر نے کہا کہ ''جب جب میں کوئی اچھی بات زبان سے بولوں تو تجھے طلاق''۔ تو جتنی مرتبہ اچھی بات زبان سے نکالے گا اتنی ہی مرتبہ طلاق واقع ہوگی۔ مثلاً: ''سبحان اللّٰہ، لا إلٰہ إلا اللّٰہ، اللّٰہ أکبر'' اُس نے کہا اور بیچ میں حرفِ عطف استعمال نہیں کیا۔ تو چوں کہ یہ چار کلمے الگ الگ ہیں اور ہر کلمہ مستقل ایک اچھا کلام ہے؛ لہٰذا اِس صورت میں اُس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی، اور وہ مغلظہ ہو جائے گی؛ البتہ اگر حرفِ عطف ''وَ'' کے ساتھ ''سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر'' کہا تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی، اِس لئے حرفِ عطف کی وجہ سے یہ پورا ایک ہی کلمہ کہلائے گا۔

رجل قال لامرأته كلما تكلمت كلاماً حسناً فأنت طالق، ثم قال سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر طلقت واحدة، ولو قال سبحان اللّٰه، الحمد للّٰه، لا إلٰه إلا اللّٰه، اللّٰه أكبر، طلقت ثلاثاً، كذا في الخلاصة. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع في الطلاق بالشرط / الفصل الثاني في تعليق الطلاق بكلمة كل وكلما ۴۱۶/۱ زكريا)

گھر میں داخل ہونے پر طلاق کو معلق کیا پھر اسے طلاق دیدی

بیوی سے کہا کہ ''اگر تو فلاں متعین گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاق''، پھر داخل ہونے سے پہلے ہی اُسے ایک یا دو طلاق دے دی، تو اس طلاق دینے سے تعلیق کا حکم ختم نہ ہوگا؛ پس اگر وہ عدت کے دوران یا بعد میں بھی کبھی اس شوہر کے نکاح میں رہتے ہوئے گھر میں داخل ہوگی تو اُس پر حسبِ شرط طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً: طلاق کے بعد اُس عورت نے کسی اور مرد سے نکاح کیا، پھر کچھ دن کے بعد اُس نے طلاق دے دی، پھر عدت گذرنے کے بعد اُس عورت کا اُسی شوہر سے نکاح ہو گیا، جس نے پہلے اُس کی طلاق کو فلاں متعین گھر میں داخلہ پر معلق کیا تھا۔ تو اَب نکاح کے بعد اگر وہ اُس گھر میں داخل ہو جائے تو حسبِ شرط طلاق واقع ہو جائے گی۔

ولو قال لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق ثلاثاً، فطلقها واحدة أو ثنتين قبل دخول الدار فتزوجت بزوج آخر ودخل بها ثم عادت إلى الزوج الأول، فدخلت الدار طلقت ثلاثاً في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما اللّٰه تعالىٰ، كذا في البدائع.

(الفتاویٰ الهندية، الباب الرابع في الطلاق بالشرط / الفصل الأول في ألفاظ الشرط ٤١٦/١ زكريا)

اگر فلاں تاریخ تک بیوی کو نہ بھیجو گے تو طلاق ہو جائے گی

شوہر نے سسرال والوں سے کہا کہ ''اگر فلاں تاریخ تک میری بیوی کو میرے گھر نہیں بھیجا تو اُس پر طلاق پڑ جائے گی'' تو ایسی صورت میں اگر اُس کو متعینہ تاریخ میں شام تک شوہر کے پاس نہیں بھیجا تو طلاق پڑ جائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۵۵/۱۰)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط، مثل أن يقول لامرأته: أنت طالق إن دخلت الدار. (الهداية ٣٨٥/٢، الدر المختار مع الشامي ٣٥٥/٣ كراچی، الفتاوىٰ الهندية ٤٢٠/١ زكريا)

کہا: ''اگر میں تجھے اپنے گھر لاؤں تو تجھے طلاق'' پھر وہ خود آ گئی

شوہر نے بیوی سے کہا کہ ''اگر میں تجھے اپنے گھر لاؤں تو تجھے طلاق''، پھر بیوی از خود شوہر کے لائے بغیر اس کے گھر آ گئی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۸۱/۱۰)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقًا. (الدر المختار، كتاب الطلاق / باب التعليق ٦٠٩/٤ زكريا)

ونظيره ما في الدر المختار: إن لم تجيئ بفلان أو إن لم تردى ثوبي الساعة فأنت طالق، فجاء فلان من جانب آخر بنفسه، وأخذ الثوب قبل دفعيتها لا يحنث. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطلاق / باب التعليق ٢٩٠/٢)

اگر میں تیرے گھر نہ آیا تو تجھے طلاق

شوہر نے کہا کہ ''اگر میں تیرے گھر نہ آیا تو تجھے طلاق''، تو زندگی کے آخری لمحات تک اس کی تعلیق باقی رہے گی؛ لہٰذا پوری زندگی میں اگر کبھی بھی بیوی کے گھر نہ آیا تو زندگی کے آخری جزو میں اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔

وفي والله ليأتين فلاناً، فلم يأته حتى مات حنث في آخر جزء من أجزاء حياته؛ لأن عدم الإتيان حينئذ يتحقق لا قبله، وفي الغاية: وأصل هٰذا أن الحالف في اليمين المطلقة لا يحنث ما دام الحالف والمحلوف عليه قائمين لتصور البرّ. (مجمع الأنهر ٥٥٤/١ بيروت)

اگر تو میرے بھائی کے گھر گئی تو تجھے طلاق

بیوی سے کہا کہ ''اگر تو میرے بھائی کے گھر گئی تو تجھے طلاق''، پھر اس کے بھائی نے دوسرے مکان میں رہنا شروع کر دیا اور پہلے والے گھر کو چھوڑ دیا، تو اب دیکھا جائے گا کہ اگر شوہر کا مقصد یہ تھا کہ جس گھر میں بھی بھائی کی رہائش ہو، وہاں داخل ہونے سے طلاق واقع ہو، تو مسئولہ صورت میں اس نئے گھر میں

داخل ہونے سے بھی طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر اس خاص گھر کے بارے میں نیت تھی جس میں تعلیق کے وقت بھائی مقیم تھا تو ایسی صورت میں دوسرے بدلے ہوئے گھر میں داخلہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

رجل قال لامرأته إن دخلت دار أخي فأنت طالق،فسكن أخو الحالف دارًا أخر ثم دخلت المرأة الدار الحديثة فإن كانت يمينه لأجل الأخ حنث في يمينه وإن لم تكن له نية حنث في قول أبي حنيفة ومحمد. (الفتاوىٰ الهندية ٤٣٤/١ زكريا)

طلاقِ ثلاثہ معلقہ سے بچنے کا حیلہ

اگر کسی شخص نے دخولِ دار پر بیوی کی تین طلاق کو معلق کیا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق، تو گھر میں داخل ہوتے ہی بیوی پر تین طلاق پڑ جائیں گی؛ البتہ اگر ایک طلاق دے کر اسے چھوڑے رکھے، پھر عدت کے بعد بیوی گھر میں داخل ہوجائے اس کے بعد اس سے نکاح کرلے تو اب گھر میں جانے سے بیوی پر طلاق نہیں پڑے گی۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً لكن إن وجد في الملك طلقت وعتق وإلا لا، فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (الدر المختار مع الشامي / باب التعليق ٢٩٠/٢) □□□

شہر بنگلور میں ''صفہ کتب خانہ''

کا شاندار افتتاح

تمام ہی درسی وغیر درسی، اصلاحی و دینی، علمی و معلوماتی کتابوں کا مرکز بالخصوص:

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

کی جملہ تصنیفات رعایتی قیمت پر حاصل کریں۔

''فتاویٰ قاسمیہ'' 26 رجلدیں، ''کتاب النوازل'' 19 رجلدیں

مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔

نوٹ:- ہمارے یہاں آرڈر پر کتابیں بھیجی جاتی ہیں، ڈاک خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

رابطہ:- 07846833321-08095953900

اشتہار

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری نائب مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد کے

فتاویٰ کا منتخب مجموعہ:

کتابُ النوازل

اَب ۱۹/جلدوں میں اِشاعت کیلئے تیار ہے، فالحمدللہ علیٰ ذلک

○ آٹھ ہزار سے زائد منتخب فتاویٰ ○ ۱۱/ہزار سے زائد صفحات ○ شستہ اور عام فہم زبان ○ دل نشین اُسلوب ○ بہترین ترتیب ○ کئی ہزار اَحادیث وآثار کے حوالے ○ فقہی دلائل کا مستند ذخیرہ ○ پرمغز مبسوط مقدمہ ○ مفتیانِ کرام اور طلبۂ تکمیل اِفتاء کیلئے گراں قدر سرمایہ!

ترتیب وتہذیب:- مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

رعایتی قیمت مکمل سیٹ:- 3500/روپئے

ناشر: فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمٹیڈ) دریا گنج دہلی

ملنے کا پتہ:- مکتبہ صدیق اینڈ کلاتھ ہاؤس لالباغ مرادآباد

رابطہ:- محمد اسجد قاسمی 09058602750، محمد ابوبکر صدیق منصورپوری 08791034667